برادرانِ وطن سے روابط کی اہمیت

محمد اقبال مُلّا

مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی ۲۵

مطبوعات ہیومن ویلفیئر ٹرسٹ (رجسٹرڈ) نمبر ۱۴۵۱
© جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

نام کتاب : برادرانِ وطن سے روابط کی اہمیت
مصنف : محمد اقبال مُلّا
صفحات : ۵۵
اشاعت
دوسرا ایڈیشن : مئی ۲۰۱۹ء
تعداد : ۱۱۰۰
قیمت : ۴۰/- روپے
ناشر : مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز
ڈی ۳۰۷، دعوت نگر، ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر، نئی دہلی — ۱۱۰۰۲۵
فون: ۲۶۹۸۱۶۵۲، ۲۶۹۸۴۳۴۷
E-mail: mmipublishers@gmail.com
Website: www.mmipublishers.net
مطبوعہ : Vinayak Offset,Okhla-II,New Delhi-20

ISBN 81-8088-947-5

BERADRAN-E-WATAN SE RAWABIT KI AHMIYAT (Urdu)
By: Mohammad Iqbal Mulla
Pages: 55
Price: ₹40.00

آرڈر کے لیے رابطہ کریں: Email:info@mmipublishers.net
CustomerCareNo:7290092403

ترتیب

- پیش لفظ ۵
- برادرانِ وطن سے روابط کی اہمیت ۷
  - برادرانِ وطن اور مسلمانوں کا منصب ۸
  - چند مشترک امور ۱۰
  - درست سوچ ضروری ہے ۱۱
  - برادرانِ وطن سے تعلقات کی نوعیت ۱۴
  - روابط کی موجودہ صورت حال ۱۶
- روابط کی اہمیت کے بعض پہلو ۲۱
  - سماج اور ملک میں امن وامان ۲۱
  - برادرانِ وطن کے انسانی حقوق ۲۲
  - معروفات کا فروغ اور منکرات کا خاتمہ ۲۴
  - زہریلا اور خطرناک پروپیگنڈا ۲۵
  - برادرانِ وطن سے تعلقات۔ قرآن کی رہ نمائی ۲۹

- روابط کا آغاز کیسے کریں؟ ۳۵
  - خاندانی سطح پر روابط ۳۸
- برادرانِ وطن سے تعلقات ۴۱
- برادرانِ وطن اور انسانی حقوق ۴۴
- برادرانِ وطن اور خدمتِ خلق ۵۱

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

مختلف مذاہب اور کلچر رکھنے والوں کے ساتھ مل جل کر رہنے کی صورت میں آپسی روابط کا خوش گوار ہونا پسندیدہ ہے۔ ربط کی کمی غلط فہمیوں اور بدگمانیوں کا سبب بنتی ہے اور نفرت اور تعصّبات کو بڑھاوا دیتی ہے۔ اس کے بعد صورت حال خراب ہوتی چلی جاتی ہے۔ پڑوسی آپس میں پیار و محبت، بھائی چارہ کا برتاؤ کرنے اور ایک دوسرے کے ہم درد بننے کے بجائے حریف اور دشمن بن کر صف آرا ہو جاتے ہیں۔ موجودہ صورت حال میں ملکی سماج پر نظر ڈالیں تو کچھ ایسا ہی نقشہ ہمارے سامنے آتا ہے۔ اسلام اس ضمن میں واضح رہ نمائی کرتا ہے۔ وہ مسلمانوں کے علاوہ دیگر مذاہب اور عقائد و کلچر رکھنے والے غیر مزاحم افراد سے بہ حیثیت انسان حسنِ سلوک کی تعلیم دیتا ہے۔ اس سے بھی آگے بڑھ کر وہ مذہب و عقیدہ کے فرق اور اختلاف کے باوجود ان کے حقوق ادا کرنے اور ان کے ساتھ عدل کرنے کا حکم دیتا ہے۔

انسانیت کی بے لوث خدمت کو نیکی کا درجہ حاصل ہے۔ اسلامی تعلیمات اور حضورؐ، صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ وغیرہ کی زندگیوں کے روشن نمونے اور تابناک مثالیں آج بھی مسلمانوں کے لیے رہ نمائی کا کام کرتی ہیں۔

افسوس ہے کہ دینی مزاج سے ناواقفیت اور کچھ دیگر اسباب کی وجہ سے مسلمانوں کے تعلقات عام برادرانِ وطن سے خوش گوار نہیں ہیں۔ اس کی ذمہ داری صرف مسلمانوں پر نہیں ڈالی جاسکتی۔ میڈیا اور کچھ تنظیمیں بھی اس کی ذمہ دار ہیں۔

اس کتاب میں انہیں نکات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ

مسلمان قرآن وسنت کی واضح تعلیمات اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نمونے کو سامنے رکھ کر برادران وطن سے تعلق قائم کریں۔ اس سے بے شمار فائدے حاصل ہوں گے۔ خاص طور پر ان تعلقات کی وجہ سے ہی وہ ان کے درمیان دعوت دین کا فریضہ ادا کرسکیں گے۔ باہمی روابط کی وجہ سے غلط فہمیاں اور بدگمانیاں دور ہوں گی۔ قول وعمل سے شہادت حق کی ذمہ داری ادا کرسکیں گے۔ ان کے اور ملکی سماج کے بہت سے مسائل کا حل بھی نکل آئے گا۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ جس مقصد کے لیے یہ کتاب لکھی گئی ہے وہ پورا ہو۔

میں ڈاکٹر محمد رفعت چیئرمین تصنیفی اکیڈمی اور ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی، سکریٹری تصنیفی اکیڈمی دہلی کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے اس کتاب کی تیاری میں دل چسپی لی۔ جناب عبدالرب کریمی (شعبۂ دعوت) نے اس کتاب کی پروف ریڈنگ میں تعاون کیا ہے، میں ان کا بھی شکر گزار ہوں۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے آمین!

محمد اقبال مُلّا
سکریٹری شعبۂ دعوت جماعت اسلامی ہند

نئی دہلی
۲۵ر جمادی الاولیٰ ۱۴۳۸ھ
25ر فروری 2017

برادرانِ وطن سے روابط کی اہمیت

ہمارے ملک میں مسلمانوں کے علاوہ جو آبادی پائی جاتی ہے وہ بالعموم غیر مسلم آبادی کہلاتی ہے۔ آج اس کی تعداد ایک سو دس کروڑ کے لگ بھگ ہے۔ یہ آبادی مختلف مذاہب کے ماننے والے باشندوں پر مشتمل ہے۔ اس کی مختلف زبانیں، کلچر اور رسم و رواج ہیں۔ اتنی بڑی آبادی کے ساتھ مسلمان ہر جگہ کھچڑی کے دانوں کی طرح مل جل کر رہتے ہیں۔

اس آبادی کے لیے غیر مسلم، کافر اور مشرک جیسی اصطلاحات کا بالعموم استعمال کیا جاتا ہے۔ اگرچہ اس میں ہمارے وطنی بھائیوں کے لیے کسی طرح کی تحقیر و تذلیل کا یا کم تر ہونے کا مفہوم نہیں پایا جاتا، لیکن پھر بھی اس پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔ ایک خالق کے بندے ہونے اور ایک ماں باپ (آدمؑ اور حوّا) کی اولاد ہونے کی بنا پر ان کے اور مسلمانوں کے درمیان صرف باہم انسانی رشتہ ہی نہیں ہے، بلکہ ایک ہی انسانی خاندان کا فرد ہونے کا رشتہ بھی ہے۔ انھیں کافر کہتے ہیں تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا مسلمانوں نے توحید، حضرت محمدؐ کی سیرت اور پیغام ان تک پہنچایا ہے اور کیا انہوں نے اس کو سمجھ کر دانستہ انکار کر دیا ہے؟ کیا شرک و الحاد کی حقیقت اور نقصانات سے وہ اچھی طرح واقف ہو چکے ہیں؟ پھر بھی ان تصورات سے وہ بچے رہنا چاہتے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ مسلمانوں نے یہ فریضہ انجام نہیں دیا ہے۔ اس لیے بہتر یہی ہے کہ موجودہ مرحلے میں ان کے لیے ایسی اصطلاحات کا استعمال کرنے کے بجائے انھیں دوسرے مناسب ناموں سے پکارا جائے۔ چنانچہ انہیں برادران وطن اور ان کی خواتین کو وطنی بہنیں کہنا مناسب ہوگا۔ اس تحریر میں ان کے لیے انہی دونوں اصطلاحات کا استعمال کیا گیا ہے۔

برادرانِ وطن سے مسلمانوں کو ربط رکھنا چاہیے یا نہیں؟ اگر ہاں تو ان تعلقات کی نوعیت کیسی ہو؟ کیا ان سے صرف تجارتی، کاروباری، سیاسی اور تعلیمی میدان میں تعلق کافی ہے۔ اس سلسلے میں قرآن وسنت سے کیا رہ نمائی ملتی ہے؟

مسلمانوں کے بارے میں عام تاثر یہ پایا جاتا ہے کہ وہ دوسروں سے الگ تھلگ رہتے ہیں۔ وہ اپنے علاوہ دیگر مذاہب کے ماننے والوں سے مل جل کر نہیں رہ سکتے۔ ان کی یہ کیفیت اسلام کی وجہ سے ہے۔ ظاہر ہے، اسلام کی تعلیمات مطلقاً ایسی نہیں ہیں، اس لیے یہ تاثر غلط ہے۔

مذکورہ سوالات برادرانِ وطن سے تعلقات کے بارے میں اہم اور بنیادی نوعیت کے ہیں۔ ان کے جوابات معلوم کرنے کے لیے ضروری ہے کہ برادرانِ وطن اور مسلمانوں کی اصل حیثیت اور اس کے تقاضوں کو سمجھنے کی کوشش کی جائے۔

برادرانِ وطن اور مسلمانوں کا منصب

برادرانِ وطن اور مسلمان اس ملک میں محض اکثریت اور اقلیت کی حیثیت نہیں رکھتے۔ یہ دونوں باہم حریف اور ایک دوسرے کے مخالف فریق کی حیثیت بھی نہیں رکھتے۔ برادرانِ وطن کی اصل حیثیت کا ادراک مسلمانوں کو بالعموم نہیں ہے، اسی بنا پر دونوں میں غلط فہمیوں اور بدگمانیوں کی فضا قائم رہتی ہے۔ اتنا ہی نہیں، بلکہ سارے برادرانِ وطن کو بلاامتیاز اسلام دشمن اور مسلم دشمن بھی سمجھا جاتا ہے۔

دوسری طرف برادرانِ وطن، اسلام اور مسلمانوں کے تعلق سے شدید غلط فہمیوں اور بدگمانیوں کا شکار ہیں۔ پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا اور سوشل میڈیا کے ذریعہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف پروپیگنڈے سے وہ متاثر ہو چکے ہیں۔ اسلام کو وہ علیٰحدگی پسند مذہب اور مسلمانوں کو علیٰحدگی پسند گروہ سمجھتے ہیں۔ وہ گمان کرتے ہیں کہ مسلمانوں میں اپنے حقوق، مطالبات اور مسائل کے علاوہ ملکی عوام اور مسائل سے کوئی دل چسپی نہیں پائی جاتی۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ برادرانِ وطن کے ساتھ تعلقات قائم ہوں اور ملکی مسائل میں مسلمانوں کی دل چسپی اور سرگرمیوں میں اضافہ ہونے لگے تو ان کے ساتھ ایک فطری رشتہ اور تعلق خود بخود قائم ہونے لگے گا اور وہ مسلمانوں کو اپنا خیر خواہ

اور ہمدرد سمجھنے لگیں گے۔ اس کے نتیجے میں مسلمانوں کی تصویر صاف ہوگی اور غلط فہمیوں اور بدگمانیوں کو دور کرنے میں مدد ملے گی۔

یہ واقعہ ہے کہ برادرانِ وطن اور مسلمان ایک ہی ملک کے باشندے ہیں۔ وہ مسلمانوں کے ہم وطن، ہم سایہ اور ہم سفر ہیں۔ ایک ہی جگہ مل کر دفتروں، کارخانوں، فیکٹریوں، اسپتالوں اور اسکولوں وغیرہ میں کام کرتے ہیں۔ لیکن اب تک مسلمانوں کے ذریعہ اسلام کا صحیح تعارف انھیں نہیں کرایا گیا ہے۔ توحید، رسالت اور آخرت کے بنیادی عقائد سے وہ ناواقف ہیں، بلکہ کہیں کہیں مسلمانوں کے غلط طرزِ عمل یا بعض مواقع پر غیر اسلامی طرزِ زندگی کی وجہ سے وہ غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔ انہیں محسوس ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے نزدیک بھی خدا کے سوا دیگر ہستیاں ہیں جو خدا ہی کی طرح بااختیار ہیں۔ برادرانِ وطن پر ابھی تک مسلمانوں نے شرک کا غلط ہونا ثابت نہیں کیا ہے۔ نیز اس کے دنیوی اور اخروی زندگی میں نقصانات کو حکمت اور دلائل کے ساتھ واضح نہیں کیا ہے۔ اس کے بغیر ان کو کافر قرار دینا کہاں تک درست ہے؟ اسی طرح یہ بات بھی صحیح نہیں ہے کہ وہ سب کے سب اسلام اور مسلمانوں کے دشمن اور خون کے پیاسے ہیں۔ حقیقت میں بہت سے لوگ حق کے پیاسے ہیں اور تلاش حق میں بھٹک رہے ہیں۔ وہ مسلم دشمن نہیں ہیں۔

مسلمانوں کی حیثیت محض ایک مذہبی اقلیت اور لسانی گروہ کی نہیں ہے۔ وہ ایک نظریاتی، اصولی اور عالمی و آفاقی حیثیت کی حامل امت ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو منتخب فرما کر دنیا کے تمام انسانوں تک دین حق کو پہنچانے پر مامور کیا ہے، اسی لیے ان کو خیر امت، امت وسط اور شہداء علی الناس کے خطابات سے نوازا ہے۔ مسلمان دنیا میں آخری پیغمبر کی آخری امت ہیں۔ اب کوئی پیغمبر یا رسول قیامت تک آنے والا نہیں ہے، اسی طرح کوئی دوسری امت بھی نہیں اٹھائی جائے گی۔ مسلمانوں کو اپنے قول اور عمل سے فرداً فرداً اور اجتماعی طور پر اسلام کی گواہی پیش کرتے ہوئے دین کی دعوت دینا ہے، نیز اس کی حجت بھی پوری کرنی ہے۔ یہ کام ان کا منصبی فریضہ اور مقصد وجود بھی ہے۔ اگر وہ دنیا میں بڑے بڑے کارنامے انجام دیں، لیکن اس منصبی فریضہ کو ادا نہ کریں تو آخرت میں اس کی باز پرس سے نہ بچ سکیں گے اور وہاں کوئی عذر کام نہ آئے گا۔

اس سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ مسلمانوں اور برادرانِ وطن کے درمیان ایک مضبوط رشتہ اور تعلق پایا جاتا ہے۔ یہ داعی ہیں اور وہ مدعو۔ دونوں ایک دوسرے کے حریف ہیں نہ فریق، بلکہ مسلمان ایک پیغام اور دعوت کے حامل اور برادرانِ وطن اس پیغام اور دعوت کے اولین مخاطب ہیں۔

چند مشترک امور

برادرانِ وطن سے ربط قائم کرنے کے لیے بہت سی مضبوط بنیادیں موجود ہیں۔ اس سلسلے میں درج ذیل باتوں پر غور کرنا چاہیے۔ یہ مشترک امور کی حیثیت رکھتی ہیں۔

- ایک ہی خالق، مالک اور پالن ہار کے وہ اور مسلمان بندے ہیں۔ ان کا خالق اور مسلمانوں کا خالق الگ الگ نہیں ہے۔ وہی اکیلا سب کا رب بھی ہے۔ تمام مخلوقات اور کائنات کا وہ لاشریک خالق ہے۔
- سب ایک ہی ماں اور ایک ہی باپ (حضرت آدمؑ اور حوّا) کی اولاد ہیں۔ اسی لیے ساری مخلوق کو 'اللہ کا کنبہ' کہا گیا ہے۔ اس اعتبار سے سارے انسان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔
- دونوں ایک ہی وطن کے باشندے ہیں۔ اہل وطن کی فلاح و بہبود سب کے لیے ضروری ہے۔ اگر اسے کوئی نقصان پہنچتا ہے، یا یہ اللہ کے عذاب کا شکار ہوتے ہیں تو سب کا نقصان ہوگا۔ گویا کسی بڑے جہاز میں اگر لوگ سوار ہیں اور یہ جہاز ساحل پر پہنچتا ہے تو سب کا سفر کام یاب رہا، لیکن اگر یہ کسی حادثہ کا شکار ہوکر یا طوفان میں پھنس کر ڈوب جاتا ہے تو سب ہلاک ہوجائیں گے۔
- برادرانِ وطن اور مسلمان اہل مذاہب میں سے ہیں، یعنی وہ کسی نہ کسی مذہب کے ماننے والوں میں سے ہیں، مذہب کو زندگی کے لیے ناگزیر سمجھتے ہیں اور اس کے بغیر زندگی بسر کرنے کا تصور نہیں رکھتے۔
- برادرانِ وطن امتِ دعوت اور مسلمان امتِ اجابت ہیں۔ یعنی جو عقیدہ، دین اور پیغام مسلمانوں کے پاس ہے وہ ان کی ذاتی جاگیر اور ان کی موروثی جائیداد نہیں ہے،

بلکہ سارے انسانوں کے لیے عام ہے۔ مسلمان اس کے امین ہیں، مالک اور اجارہ دار نہیں ہیں۔ اس لیے جو امانت ان کے پاس ہے اسے جلد از جلد ان تک پہنچا دینا ضروری ہے۔ اس کے لیے مسلمانوں کو برادرانِ وطن کے تعلق سے اپنی روایتی سوچ کو ترک کر کے اسلامی تعلیمات کی روشنی میں درست سوچ پیدا کرنی ہوگی۔ اس کے بعد آگے بڑھ کر ان سے تعارف، ملاقات، ربط اور گفتگو ضروری ہے۔ اس کے بعد ہی دعوت کے لیے راہیں کھلتی ہیں۔ ان سے تعلقات کے لیے یہ بنیادی اور اولین کام ہیں، جو اگر نہ کیے جائیں تو کوئی بات چیت اور تعلق پیدا نہیں ہو سکے گا۔ فرقہ پرست فسطائی ذہن رکھنے والوں اور تنظیموں سے وابستہ افراد سے بھی ملاقاتیں کر کے ان سے ربط قائم کرنا چاہیے۔ ان کو محض مخالف اور دشمنِ اسلام سمجھ کر ان سے دور رہنے کا رویہ اسلام کی تعلیمات اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نمونے کے خلاف ہے۔

مسلمان جب تک برادرانِ وطن سے اپنے تعلقات کی موجودہ سطح سے بلند ہو کر اپنے ذہن کو صاف نہیں کر لیں گے اور درست سوچ اختیار نہیں کریں گے، اسلام کی دعوت ان تک نہیں پہنچ سکے گی۔

درست سوچ ضروری ہے

اب تک کی تحریر سے صاف ظاہر ہے کہ برادرانِ وطن کے متعلق مسلمانوں کا ایک خاص ذہن بن گیا ہے۔ اس کے تاریخی، سماجی اور سیاسی اسباب ہیں۔ یہاں اس کی تفصیل میں جانے کا موقع نہیں ہے۔ مسلمانوں کا ذہن قومی اور فرقہ وارانہ انداز سے کام کرتا ہے (اس میں استثنا بھی پایا جاتا ہے) جب کہ اسلام کی تعلیمات کی روشنی میں ان کو عالمی، آفاقی اور انسانی بنیادوں پر سوچ و فکر اپنے اندر پیدا کرنا چاہیے۔

مسلمان بالعموم کہتے اور سمجھتے ہیں:

* ہمارا اللہ یا ہمارا خدا
* ہمارے رسول یعنی حضرت محمدؐ

* ہماری کتاب یعنی قرآن مجید (گویا دوسروں کے لیے دوسری کتابیں)
* ہمارا دین یعنی اسلام (گویا دوسروں کے لیے دوسرے مذاہب)

یہ بات صحیح ہے اور آج مسلمانوں کی خوش نصیبی ہے کہ وہ اللہ کو واحد مانتے ہیں۔ اللہ کی ذات، صفات، حقوق اور اختیارات میں کسی کو شریک کرنا ظلم عظیم (شرک) سمجھتے ہیں۔ شرک سب سے بڑا گناہ ہے۔ انسان اگر مرتے دم تک اس پر قائم رہے اور اس سے توبہ کیے بغیر وفات پاجائے تو اللہ تعالیٰ نے تنبیہ کی ہے کہ اس کے گناہ (شرک) کو معاف نہیں فرمائے گا۔ اسی طرح یہ بات بھی صحیح ہے کہ مسلمان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری پیغمبر اور رسول مانتے ہیں۔ قرآن مجید ان کے پاس محفوظ شکل میں موجود ہے، یہ دوسروں کے پاس نہیں ہے۔ مسلمان اسلام، اللہ کے دین کو ماننے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے علاوہ دیگر انسانوں کو کوئی علیٰحدہ دین عطا نہیں کیا ہے۔ تمام انسانوں کے لیے اس نے جس دین کو پسند کیا ہے وہ اسلام ہے۔ لیکن مسلمانوں کے علاوہ دوسری مخلوقات اور انسانوں کا خالق کوئی دوسرا نہیں، وہی اللہ ہے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تا قیامت اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمام انسانوں، بلکہ پوری دنیا کے لیے رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے۔ مسلمانوں کے علاوہ دیگر انسانوں کے لیے الگ سے کوئی پیغمبر نہیں ہے۔ ان کی دنیوی فلاح اور اخروی نجات کا دارومدار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لا کر ان کی مکمل پیروی اختیار کرنے میں ہے۔

ان حقائق کو اچھی طرح سمجھ لینا ضروری ہے۔ اس کے ساتھ برادرانِ وطن کے متعلق غلط فہمیوں اور بدگمانیوں کو دور کرنا بھی نہایت ضروری ہے۔ اس کے بغیر ان کے ساتھ روابط پیدا کرنے اور دعوت پہنچانے کا عمل آگے نہیں بڑھ سکتا۔

اس مختصر بحث کے بعد مذکورہ بنیادی نوعیت کے حقائق کے تعلق سے درج ذیل پوزیشن پر غور کیجیے:

* اللہ تعالیٰ اکیلا سب انسانوں اور مخلوقات کا خالق، مالک اور پالنہار ہے۔ وہی اکیلا آقا، رب اور ہادی ہے۔
* اسلام اللہ کا دین ہے جو سب انسانوں کے لیے ہے۔ اس کو قبول کرنے والے مسلمان کہلاتے ہیں۔

* حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمام انسانوں کے لیے تاقیامت آخری پیغمبر ہیں۔ انسانوں کی ہدایت کے لیے اب کوئی پیغمبر نہیں آئے گا۔ جولوگ آپ پر ایمان لائیں وہ مسلمان کہے جائیں گے۔
* قرآن مجید تمام انسانوں کے لیے ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے آخری کتابِ ہدایت ہے اب کوئی کتاب انسانوں کی ہدایت کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں آئے گی۔ جو قرآن پر ایمان لائے اُسے مسلمان کہا جائے گا۔
* مسلمان آخری امت ہیں۔ قیامت تک پھر کوئی نئی یا دوسری امت نہیں اٹھائی جائے گی۔ اس امت کا حقیقی فرض دینِ حق کی شہادت قولی اور عملی طریقے پر پیش کرنا ہے اور اس کی حجت اس طور پر انسانوں کے اوپر قائم کرنا ہے کہ میدان حشر میں مسلمان کہہ سکیں کہ اللہ تعالیٰ نے، جو دین اپنے پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ان کو عطا فرمایا تھا، اس کی مکمل پیروی اختیار کر کے اور اس کی دعوت برادرانِ وطن کو بھرپور طریقے سے دے کر اس کا حق ادا کر دیا تھا۔ چنانچہ برادرانِ وطن اقرار کرلیں کہ واقعی مسلمانوں نے اپنا فریضہ ادا کر دیا تھا۔

یہ عظیم نعمتیں (اسلام اور قرآن) اللہ تعالیٰ کی تمام نعمتوں کی طرح انسانوں کے لیے عام ہیں، کسی قوم، گروہ یا آبادی کے لیے مخصوص نہیں کی گئی ہیں۔ اگر مسلمان ان کو مسلمان خاندان میں پیدا ہونے والوں کے لیے مخصوص کرنے اور دوسروں کو ان سے محروم کرنے کی کوشش کرتے ہیں تو یہ اللہ کی امانت میں خیانت اور جرم عظیم ہوگا۔ اس کا وبال اس دنیا میں بھگتنے کے ساتھ اخروی زندگی میں اللہ تعالیٰ کی شدید ناراضی اور باز پرس کی شکل میں سامنے آئے گا۔ آج مسلمان جن سنگین مسائل اور خطرات کا سامنا کر رہے ہیں، اس کا بنیادی سبب یہی خیانت اور جرم ہے۔

اس سلسلے میں قرآن مجید کی درج ذیل آیات پر غور کریں:

إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالْهُدَىٰ مِنْ بَعْدِ مَا بَيَّنَّاهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتَابِ ۙ أُولَٰئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللَّهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللَّاعِنُونَ ۝ (البقرۃ:۱۵۹)

''جولوگ ہماری نازل کی ہوئی روشن تعلیمات اور ہدایات کو چھپاتے ہیں، درآں حالاں کہ ہم انہیں سب انسانوں کی رہ نمائی کے لیے اپنی کتاب میں بیان کر چکے ہیں، یقین جانو کہ اللہ ان پر لعنت کرتا ہے اور تمام لعنت کرنے والے بھی ان پر لعنت بھیجتے ہیں۔''

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ روشن تعلیمات اور ہدایات تمام انسانوں کی رہ نمائی کے لیے ہیں۔ آج کے دور میں مسلمان اس عظیم نعمت کے امین ہیں۔ ان کی ذمہ داری ہے کہ وہ اسے انسانوں تک پہنچادیں اور چھپا کر نہ رکھیں۔ کیوں کہ رہ نمائی سے محروم انسانوں کے بھٹکنے کی ذمہ داری مسلمانوں پر آئے گی۔ روشن تعلیمات اور ہدایات دراصل دین حق ہے۔

قرآن میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهٗ مِنَ اللّٰهِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ○ (البقرۃ:۱۴۰)

''اس شخص سے بڑا ظالم اور کون ہوگا جس کے ذمے اللہ کی طرف سے ایک شہادت (گواہی) ہو اور وہ اسے چھپائے۔''

اس حق کو پیش کرنے کے بجائے چھپانے والے کو سب سے بڑا ظالم کہا گیا ہے۔ جرم اور ظلم کی سنگینی کا اندازہ اس سے لگائیں کہ جن پر یہ ظلم ہوگا، یعنی برادران وطن (مظلوم) اخروی زندگی میں اپنے شرک اور کفر کی وجہ سے جہنم کی آگ میں جلیں گے۔ پھر ظالم اپنے ظلم کی کیا کوئی سزا نہیں پائے گا؟

دین حق کو پہنچانے اور انسانوں پر اس کی گواہی دینے کا کام برادرانِ وطن سے بے تعلق رہ کر کیسے انجام پاسکتا ہے؟ ان سے جب تک ربط قائم نہیں ہوتا، دعوت پہنچانے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ دعوت پہنچانے کے لیے دوطرفہ Communication ضروری ہے۔ اس کے لیے باہمی تعارف وتعلق ناگزیر ہے۔

برادرانِ وطن سے تعلقات کی نوعیت

برادرانِ وطن سے تعلقات اور روابط کی ایک خاص نوعیت ہے۔ دنیا میں عام طور پر انسان دوسروں سے ربط قائم کرتا ہے، تو اس کے پیچھے کوئی نہ کوئی ذاتی غرض یا خاندانی یا قومی مفاد وابستہ ہوتا ہے، لیکن دعوتی روابط کی غرض صرف یہ ہوتی ہے کہ اللہ کے بندوں تک دعوت پہنچائی

جائے، تا کہ وہ دنیا میں بے راہ روی اور آخرت میں جہنم کے عذاب سے بچ جائیں۔ اس کوشش کا محرک صرف اللہ تعالیٰ کی خوش نودی کی طلب ہے۔ دراصل وہ اللہ کے بندے اور انسان ہیں۔ ان کا یہ حق ہے کہ اللہ کا دین ان تک پہنچایا جائے۔

گویا بے لوثی اور بے غرضی کی بنیاد پر برادرانِ وطن سے روابط سراسر ان کی خیرخواہی، بھلائی پر مبنی ہیں ان کی دنیوی زندگی کی تعمیر و ترقی اور کام یابی کے ساتھ اخروی زندگی میں نجات کے لیے ہیں، دعوتِ دین اور اس کی حجت پوری کرنے کے لیے ہیں۔

انبیاؑ کرام کی دعوتی کوششوں کے پیچھے اصل غرض وغایت کیا ہوتی تھی؟ اس کو قرآن نے تکرار کے ساتھ بیان کیا ہے، مثلاً:

> وَمَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰي رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ۚ
> (الشعراء:۱۰۹، ۱۲۷)
>
> ”میں اس کام (دعوت) پر تم سے کسی اجر کا طالب نہیں ہوں۔ میرا اجر تو رب العالمین کے ذمہ ہے۔“
>
> وَيٰقَوْمِ لَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مَالًا ۭ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَي اللّٰهِ (ہود:۲۹)
>
> ”اے برادرانِ قوم! میں اس کام پر تم سے مال نہیں مانگتا۔ میرا اجر تو اللہ کے ذمہ ہے۔“
>
> قُلْ مَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ ۝ (ص:۸۸)
>
> ”اے نبیؐ ان سے کہہ دو کہ میں اس تبلیغ پر تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا اور نہ میں بناوٹی لوگوں میں سے ہوں۔

اس طرح روابط کا دائرہ محدود نہیں، بلکہ نہایت وسیع ہے۔ انفرادی ربط سے آگے بڑھ کر خاندانی اور سماجی سطح پر برادران وطن سے ربط قائم کیا جاسکتا ہے۔ ربط قائم کرنے میں دنیوی مفادات، مادی و ذاتی لالچ اور حرص محرک نہیں ہیں بلکہ پاک روحانی جذبات اور خیرخواہی کا دخل ہے۔

اگر مسلمان داعی گروہ نہ ہوتے، محض دوسروں کی طرح ایک قوم اور ایک اقلیت ہوتے تو وہ بھی قومی، گروہی، ذاتی اور دنیوی مفادات کے لیے تعلقات قائم کرنے میں آزاد تھے، لیکن وہ دعوت توحید کے علم بردار ہیں۔ دعوتِ دین پہنچانے اور اس کی حجت انسانوں پر پوری کرنے کے لیے ذمہ دار بنائے گئے ہیں، تا کہ لوگ خدا کے سامنے یہ نہ کہہ سکیں کہ

ہمیں تو تیرا دین معلوم ہی نہیں تھا۔ ہماری گم راہی اور راہ راست سے بھٹکنے کی بڑی وجہ تو مسلمان تھے، جن کے پاس تیرا دین تھا۔ انہوں نے اس کا اجارہ دار بن کر نہ خود اس سے فائدہ اٹھایا اور نہ ہمیں اس سے واقف کرایا۔ اس لیے اگر آج ہم تیری بارگاہ میں حق سے منہ موڑ کر زندگی بسر کرنے کے مجرم قرار دیے جارہے ہیں تو پھر مسلمانوں کو بھی اس جرم کی سزا ضرور دے، کیوں کہ انہوں نے ہمیں حق سے محروم رکھا تھا۔

خلاصہ یہ کہ برادرانِ وطن سے تعلقات محض رسمی نہیں ہیں اور محض خیر سگالی کے لیے نہیں ہیں، بلکہ ان روابط کو قائم کرنے کا بنیادی اور سب سے بڑا مقصد دعوتِ دین اور پیغام حق ان تک پہنچانا ہے۔ ان پر شرک اور دیگر باطل افکار ونظریات کا انسان کی دنیا وآخرت کے لیے تباہ کن ہونا واضح کرنا ہے۔

برادرانِ وطن سے تعلقات قائم کرنے کے دنیوی فائدے اور نتائج بھی ہیں۔ ان کا تذکرہ آئندہ صفحات میں آئے گا۔

روابط کی موجودہ صورت حال

برادرانِ وطن اور مسلمان صدیوں سے ملک میں رہتے بستے آئے ہیں۔ عموماً پڑوسیوں کے درمیان بھائی چارہ اور خوش گوار تعلق رہا ہے۔ ایک دوسرے کے گھروں میں آنا جانا، مسائل میں باہم دل چسپی لینا اور ایک دوسرے سے مشورہ کرنا عام رہا ہے۔ یہاں تک کہ رشتے ناطے کرنے میں رائے لی جاتی تھی، کاروباری شراکت داری وغیرہ ہوتی تھی، مسلمانوں کی عیدوں میں ان کے لیے ضیافت کا اہتمام ہوتا تھا۔

پڑوسیوں کے تعلقات کا خوش گوار ہونا دونوں کے لیے فائدہ مند اور ضروری ہے، اور ملک میں امن وامان اور تعمیر وترقی اور سوسائٹی میں خیر وبھلائی کے فروغ کے لیے بھی نہایت ضروری ہے۔

البتہ برادرانِ وطن کے ساتھ مسلمانوں کے تعلقات کی موجودہ صورت حال اور کیفیت کو خوش گوار نہیں کہا جاسکتا۔ تعلقات مسلسل خراب کیے جارہے ہیں۔ دونوں کے درمیان نفرت، تعصّبات اور دوریاں بڑھتی جارہی ہیں۔ یہ ایک سانحہ ہے۔ یہ سب کچھ خود بخود

نہیں ہورہا ہے، بلکہ کچھ تنظیمیں، ادارے اور افراد باقاعدہ اسے ایجنڈا بنا کر مسلسل کام کررہے ہیں۔ اب اس کے کڑوے کسیلے پھل سامنے ہیں۔ ماضی میں بھی فسادات ہوتے تھے، لیکن پچھلے چند برسوں میں جگہ جگہ فسادات کرائے گئے۔ فسادی اور شر پسند افراد اور امن کے دشمنوں پر نہ صرف یہ کہ قانونی کارروائی اور سزا نہیں ہوئی، بلکہ ان کی حوصلہ افزائی کی گئی۔

برادرانِ وطن اور مسلمانوں میں خلیج بڑھتی جارہی ہے۔ نفرتوں کے سوداگر انسانی لاشوں کا انبار لگادیتے ہیں اور معصوم خواتین کی عصمت دری کرکے اپنی سیاست کو فروغ دینا اور برادرانِ وطن کے ووٹ حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ کس قدر عبرت ناک صورت حال ہے! مذہبی کہلانے والے رہ نماؤں کے اشتعال انگیز بیانات نے اکثریتی فرقہ کے بہت سے افراد کو اقلیتوں بالخصوص مسلمانوں کا دشمن بنادیا ہے۔ اس کے نتیجے میں سماج اور ملک میں کس قدر خطرناک مسائل پیدا ہوں گے، اس کی انہیں کوئی پروا نہیں ہے۔ وہ اس حقیقت کو بھول گئے ہیں کہ جس سوسائٹی میں بے گناہوں اور بے قصوروں پر ظلم وتشدد بڑھتا ہے وہ خدا کے عذاب کو دعوت دیتی ہے۔ چناں چہ صدیوں سے اچھے پڑوسیوں کی طرح مل جل کر رہنے والوں کے درمیان بے اعتمادی، بے زارگی اور دشمنی بڑھتی جارہی ہے۔ ایک دوسرے پر شک کے گہرے سائے چھاگئے ہیں۔ ان سب میں مزید اضافہ جھوٹے اور بے بنیاد پروپیگنڈے کی وجہ سے ہورہا ہے، مثلاً لوجہاد، آبادی میں اضافہ، بہو بیٹی بچاؤ اندولن، بیف کے تعلق سے جھوٹی افواہیں اور اشتعال انگیز باتیں۔ بسا اوقات قانون ہاتھ میں لیتے ہوئے بے گناہوں کو ہلاک کردیا گیا۔ بعض مقامات پر لوگوں کو مار کر ان کی لاشوں کو درختوں سے لٹکایا گیا۔

اقلیتوں اور مسلمانوں میں بعض افراد نے کہیں کہیں بدلہ لینے کی بات کہی اور سخت بیانات جاری کیے، لیکن عام طور پر مسلمانوں نے صبر اور حوصلے سے کام لیا، اپنی جانب سے نفرت اور اشتعال پھیلانے کی حرکتیں نہیں کیں۔ انہیں ہر حال میں صبر اور تحمل ہی سے کام لینا چاہیے۔

حکم راں طبقہ ان حالات میں خاموش ہے۔ پولیس اکثر وبیش تر تماشائی بنی رہتی ہے یا جانب داری سے کام لیتی ہے۔ فسادیوں، مجرموں اور قاتلوں کو چھوڑ دیتی ہے، بے گناہوں اور بے قصوروں کو پکڑ لیتی ہے اور جھوٹے کیسوں میں انہیں پھنسایا جاتا ہے۔

تاریخ، کلچر اور تعلیم کے میدانوں میں بھگوا کرن اور حکم راں طبقہ کی جانب سے سرکاری و غیر سرکاری سطح پر ناعاقبت اندیشانہ فیصلوں نے زبردست تشویش پیدا کردی ہے ایک جمہوری ملک میں فاشزم کی آمد صاف محسوس ہوتی ہے۔ اختلاف رائے کو دبانے، شخصی آزادی کو ختم کرنے، اظہار خیال کی آزادی سلب کرنے اور تنقید کرنے والوں کو ہلاک کرنے کی کوشش کی گئی، حتی کہ کئی دانش وروں کا قتل کردیا گیا اور قاتل پکڑے نہیں گئے۔ ان کے خلاف کارروائی میں ریاستی سرکاریں اور پولیس سنجیدہ نظر نہیں آتی۔

دہشت گردی کے نام پر بے قصور مسلمان نوجوانوں کی جگہ جگہ گرفتاریاں ہوتی ہیں، میڈیا کے ذریعے خوف ناک اور برادرانِ وطن میں دہشت پھیلانے والی کہانیاں نشر کی جاتی ہیں۔ اس معاملے میں پولیس کا جانب دارانہ اور تعصب ونفرت پر مبنی رول سامنے آتا ہے۔ انتظامیہ و خفیہ ایجنسیوں کا قابل مذمت رویہ (کچھ استثنا کے باوجود) عدل وانصاف کے تقاضوں کو پوری طرح پامال کرنے کا ہے۔ انسانی حقوق کی بے دردی سے پامالی نے رہی سہی کسر پوری کردی ہے۔

میڈیا اور پولیس کی جھوٹی کہانیوں پر بھروسہ کرکے اکثر برادرانِ وطن سمجھتے ہیں کہ مسلمان بالعموم دہشت گرد ہیں اور اس ملک کے وفادار نہیں ہیں۔ ان کا مذہب انسانوں کی سلامتی، امن وامان اور انسانی تہذیب کا دشمن ہے۔ ان حالات میں برادرانِ وطن کیسے آمادہ ہوسکتے ہیں کہ مسلمانوں سے تعلقات بڑھائیں۔ یہ صورت حال ملک کے لیے تباہ کن ہے۔ دوسری طرف اس فضا میں مسلمانوں کو کئی خدشات لاحق ہیں۔ ان کے اندر بالعموم آگے بڑھ کر برادران وطن سے ربط وتعلق پیدا کرنے کے لیے آمادگی کم ہی پائی جاتی ہے۔

یاد رکھنا چاہیے کہ تصویر کا ایک روشن پہلو بھی ہے۔ ملک میں ہر جگہ اچھی خاصی تعداد میں ایسے برادرانِ وطن ہیں، جو اس صورت حال پر فکرمند ہیں اور تشویش میں مبتلا ہیں۔ ان میں دانش ور، سائنس داں، محققین ومصنفین، ادیب وشاعر، آرٹسٹ، سماجی کارکن (Social Activists)، سیاست داں اور مذہبی رہ نما وغیرہ شامل ہیں۔ یہ لوگ تمام اقلیتوں بالخصوص مسلمانوں کے لیے بے حد فکرمند ہیں، موجودہ حالات سے دل برداشتہ ہیں۔ ایسے لوگ ملک میں بہت ہیں۔ انسانی حقوق کی

پامالی، ظلم وتشدد اور فسادات کے موقعوں پر اپنی جان خطرے میں ڈال کر بہت سے لوگ اقلیتوں اور بالخصوص مسلمانوں کے لیے کام کرتے ہیں۔ یہ انسان دوست، امن پسند اور شریف ہیں۔ ان کے تعاون، ہم دردیوں اور تائید سے خود کو محروم کر لینا نادانی ہوگی۔ بالخصوص ایسے برادران وطن کی دل سے قدر کرتے ہوئے ان سے ملاقاتوں اور روابط کا سلسلہ برابر جاری رکھنا چاہیے۔ ان کے ساتھ مل جل کر امن قائم کرنے کا نقشہ ترتیب دینا چاہیے۔ جناب ملک حبیب اللہ تحریر کرتے ہیں:

''ہمیں اس حقیقت کا اعتراف کرنا چاہیے کہ اپنے غیر مسلم بھائیوں سے ہمارے تعلقات وروابط بہت محدود ہیں۔ پھر جو ہیں بھی ان میں گرم جوشی اور گہرائی کا بڑی حد تک فقدان ہے۔ ہونا یہ چاہیے کہ ان سے ہمارے برادرانہ تعلقات وسیع پیمانے پر قائم ہوں، جن کے پیچھے خلوص، بھائی چارہ، ہم دردی ودل سوزی اور نصح وخیر خواہی کا جذبہ کارفرما ہو۔

اس کے لیے ہمیں سب سے پہلے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک گہری نظر ڈال کر معلوم کرنا چاہیے کہ اپنے بندوں کے معاملے میں اللہ رب العالمین کا منشا کیا ہے؟ وہ اپنے وفادار بندوں سے کس طرز سلوک کا معاملہ کرتا ہے؟ رحمت عالمؐ بندگانِ خدا کے معاملے میں کیسے رہے؟ آپؐ نے اپنے پیروؤں کو کس طرز سلوک کی تعلیم وتلقین فرمائی؟ اس کی روشنی میں ہمارے لیے بہت آسان ہوگا کہ ہم پورے انشراح صدر کے ساتھ ان سے مطلوبہ تعلقات استوار اور بحال کریں۔

قرآن مجید میں ہے:

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا ○
(النساء:۱)

''لوگو اپنے رب سے ڈرتے رہو، جس نے تم کو ایک نفس سے بنایا اور اسی سے اس کا جوڑا بنایا، پھر ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلا دیے اور اللہ سے ڈرتے رہو، جس کا آپس میں واسطہ دیتے ہو اور رشتوں سے خبردار رہو، اللہ تم پر نگراں ہے۔''

مذکورہ آیت میں اللہ نے اپنے تمام بندوں کو دو باتوں کی سخت تنبیہ فرمائی ہے:

ایک اپنے رب سے ڈرنے کی اور دوسرے انسانی رشتوں سے خبردار رہنے کی۔ پھر آخر میں آگاہ فرمایا ہے کہ دیکھو اللہ تم پر نگراں ہے، تمہارے حالات سے باخبر ہے، وہ دیکھ رہا ہے کہ تم اپنے رب سے کس حد تک ڈرتے ہو اور انسانی رشتوں سے کس درجہ خبردار رہتے ہو۔ ہمارے غیر مسلم بھائی انسانی رشتوں میں داخل ہیں، انہیں مستثنیٰ نہیں کیا جاسکتا۔ سورہ لقمان میں مشرک والدین کے سلسلے میں جہاں ہدایت کی گئی ہے کہ شرک میں ان کی اطاعت نہ کرو وہیں صَاحِبْهُمَا فِی الدُّنْیَا مَعْرُوْفاً (دنیا میں ان کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ) کی تاکید فرمائی گئی ہے۔ ہم دونوں انسانی رشتے میں بندھے ہوئے ہیں۔ ان کے ہم پر حقوق ہیں۔ جس طرح ہم سے مطالبہ کیا گیا ہے کہ ہم اپنے رب سے ڈریں۔ اسی طرح ہم سے مطالبہ کیا گیا ہے کہ ہم رشتوں کے حقوق سے خبردار رہیں کہ ہم سے ہرگز حق تلفی کا صدور نہ ہو، ورنہ مواخذہ ہوگا۔

قرآن کی ایک اور آیت ملاحظہ فرمائیں:

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِی الْقُرْبٰی وَالْيَتٰمٰی وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِی الْقُرْبٰی وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ؕ

(النساء:۳۶)

''اور بندگی کرو اللہ کی۔ اس کے ساتھ کسی کو مت ملاؤ اور ماں باپ، قرابت دار ہم سایہ، اجنبی ہم سایہ، ساتھ کے رفیق مسافر اور اپنے زیر دستوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ۔''

پہلی آیت میں تقویٰ کے ساتھ رشتوں سے خبردار رہنے کا مطالبہ کیا گیا تھا۔ اس آیت میں بندگی کے ساتھ حسن سلوک کا مطالبہ کیا گیا ہے۔ ہمارے حسن سلوک کے مستحقین کی اس لمبی فہرست میں مسلم وغیر مسلم کا کوئی امتیاز نہیں رکھا گیا ہے۔''

(انسانی اخوت، صفحہ ۴، ۵)

روابط کی اہمیت کے بعض پہلو

برادرانِ وطن کے ساتھ رہنے کے باوجود ایک ہی شہر، ایک ہی محلہ اور کالونی وغیرہ میں ان سے کٹ کر رہنا، ملاقاتیں اور تعلقات کا نہ ہونا اپنے اندر کئی طرح کے نقصانات رکھتا ہے۔ اس کے نتیجے میں مسلمان الگ تھلگ ہو جائیں گے، غلط فہمیاں اور بدگمانیاں بڑھتی جائیں گی، بسااوقات ایک چھوٹی سی چنگاری بھیانک فسادات کا سبب بن جائے گی۔ ایک دوسرے سے دوری شک اور بے اعتمادی کی فضا کو جنم دیتی ہے۔

برادرانِ وطن کے ساتھ روابط کی اہمیت اور ضرورت کے بعض اہم پہلوؤں پر ذیل میں روشنی ڈالی گئی ہے۔

سماج اور ملک میں امن وامان

سماج میں امن وامان، تمام لوگوں کی جان ومال کا تحفظ، عدل وانصاف کا قیام، ظلم وستم کا خاتمہ، یہ سب کی یکساں اور بنیادی ضرورتیں ہیں۔ سماج کی اچھی بنیادوں پر تعمیر اور ترقی اسی وقت ممکن ہے جب اس کے اندر امن وانصاف کی فضا پائی جائے، انسانیت کا احترام ہو، لوگ ایک دوسرے کے دکھ درد میں شریک ہوں، اگر اس کے برعکس صورت حال پیدا ہوتی ہے تو پھر سماج کا وجود خطرے میں پڑ جائے گا۔

مذکورہ مقاصد کے حصول کے لیے مسلمان تنہا کوشش کر کے کامیاب نہیں ہوسکتے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ برادران وطن کو ساتھ لے کر مشترکہ جدوجہد کا منصوبہ بنائیں۔

انہیں یقین ہونا چاہیے کہ ان کاموں میں بہت سے برادرانِ وطن دل چسپی لیتے ہیں، تعاون کرتے ہیں، وسائل فراہم کرتے ہیں اور دوڑ بھاگ کے لیے اپنا وقت دیتے ہیں۔ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں ان کو ساتھ لے کر کام کرنے کی کوششوں میں ربط کا موقع ملتا ہے۔ اچھے اخلاق اور عمدہ رویے سے ان کو متاثر کیا جاسکتا ہے۔ امن کی بحالی اور اس کے تحفظ میں برادرانِ وطن کی شرکت سے زبردست طاقت ملے گی۔ ایسا ماحول اسلام کو سمجھنے سمجھانے میں مفید ثابت ہوگا۔

برادرانِ وطن کو اسلام کی تعلیمات اور دعوت سے واقف کرانا ضروری ہے۔ درج ذیل رہ نمائی قرآن میں ملتی ہے۔ سورۂ توبہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُوْنَ ۝ (التوبۃ:۶)

''اور اگر مشرکین میں سے کوئی شخص پناہ مانگ کر تمہارے پاس آنا چاہے (تاکہ اللہ کا کلام سنے) تو اسے پناہ دے دو، یہاں تک کہ وہ اللہ کا کلام سن لے، پھر اسے اس کے امن کی جگہ پہنچا دو۔ یہ اس لیے کرنا چاہیے کہ یہ لوگ علم نہیں رکھتے۔''

یعنی مشرکین میں سے کچھ لوگ اسلام کو سمجھنا چاہتے ہوں اور اس کے لیے وہ اللہ کا کلام سننے کے خواہش مند ہوں تو انہیں پرامن طریقے سے یہ کام کر لینے کے لیے موقع دینا چاہیے۔ پھر اگر وہ اسلام قبول نہ بھی کریں تو انہیں ان کی جگہ حفاظت سے پہنچانا چاہیے۔

یہ ہدایت زمانۂ جنگ میں دی گئی تھی، اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ امن کے زمانے میں برادرانِ وطن سے ملاقاتیں کرنے اور روابط بڑھانے کی اہمیت کس قدر زیادہ ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حالتِ امن میں ان کو پڑھنے کے لیے قرآن مجید دیا جانا چاہیے۔ قرآن کا ترجمہ انھیں سنانے کا موقع حاصل کرنا چاہیے۔

برادرانِ وطن کے انسانی حقوق

برادرانِ وطن حضرت آدم اور حوّا کی اولاد ہونے کے ناطے مسلمانوں کے ساتھ انسانیت اور بھائی ہونے کے رشتے میں بندھے ہوئے ہیں۔ حدیث میں ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے بعد یہ دعا کیا کرتے تھے:

اَللّٰھُمَّ رَبَّنَاوَرَبَّ کُلِّ شَیْءٍ اَنَاشَھِیْدٌ اَنَّکَ اَنْتَ الرَّبَّ وَحْدَکَ لَاشَرِیْکَ لَکَ.....رَبَّنَا وَرَبَّ کُلِّ شَیْءٍ اَنَا شَھِیْدٌ اَنَّ العِبَادَ کُلَّھُمْ اِخْوَۃٌ (ابوداؤد، احمد)

''اے ہمارے رب اور ہر چیز کے رب میں گواہی دیتا ہوں کہ تو ہی رب ہے تو ایک ہے، تیرا کوئی شریک نہیں اے ہمارے رب اور ہر چیز کے رب، میں گواہی دیتا ہوں کہ دنیا کے تمام انسان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔''

اسلام نے ایک انسان کے دوسرے انسان پر حقوق کے تعلق سے واضح تعلیمات دی ہیں۔مسلمانوں کے لیے ان تعلیمات کی روشنی میں دوسروں کے انسانی حقوق ادا کرنا نہایت ضروری ہے، یہ ان کا دینی فریضہ ہے۔اس فرض کی ادائیگی دوسرے فرائض کی طرح ضروری ہے۔اس فریضہ کی ادائیگی کے سلسلے میں عقیدہ ومذہب، زبان ورنگ اورنسل کی بنیاد پر کوئی امتیاز نہیں برتا جاسکتا۔ظلم وزیادتی (خواہ ظالم کوئی ہو) کے خلاف آواز اٹھانا، ظالم کے خلاف احتجاج کرنا اور مظلوم کی مدد اور حمایت کرنا ضروری ہے۔

برادرانِ وطن کے انسانی حقوق کی حفاظت، غیر مزاحم افراد کے ساتھ حسن سلوک، انسانی مسائل میں دل چسپی، مستحقین کی خدمت اور انھیں مفید مشورے دینا اسلام کی اہم تعلیمات ہیں، ان تعلیمات کو بہت سے مسلمانوں نے بھلا دیا ہے، وہ ان تعلیمات پر کم ہی عمل کرتے ہیں۔ برادرانِ وطن کے ساتھ کتنے ہی مقامات پر پڑوسی کا رشتہ ہوتا ہے، کہیں وہ ہم پیشہ ہیں، یا آفس، اسکول، اسپتال وغیرہ میں ساتھ کام کرتے ہیں۔خوشی اور غم کے مواقع پر ان کا ساتھ دینا، انہیں حسب استطاعت تحفہ تحائف دینا مطلوب ہے۔آج کے حالات میں ان اعمالِ خیر کی اہمیت پہلے سے بڑھ کر ہے۔روابط کے بغیر یہ سب ممکن نہیں۔مذکورہ کاموں کی اہمیت اور افادیت کا یقین ہونا چاہیے۔فرائض اسلام کی طرح دعوتی فریضہ ادا کرنے کے لیے تیار ہونا ضروری ہے۔روابط و تعلقات کے نتیجے میں برادرانِ وطن مسلمانوں کے اخلاق وکردار، رویہ اور برتاؤ کا مشاہدہ کریں گے۔ان کی خدا ترسی، انسان دوستی اور امن پسندی کا انہیں تجربہ ہوگا۔نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ اسلام سے متاثر ہوں گے۔تجربہ بتاتا ہے کہ تعلقات قائم ہونے کے بعد بہت سے لوگ بالعموم اچھے انسان، اچھے پڑوسی، امن پسند اور شریف ثابت ہوتے ہیں۔

معروفات کا فروغ اور منکرات کا خاتمہ

ایک صحت مند، صالح اور مثالی سوسائٹی کی اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس میں معروفات کا فروغ ہو اور منکرات کا خاتمہ ہو۔ معروف وہ نیکی، بھلائی اور خوبی ہے، جس کو سب پسند کرتے ہیں اور جو انسانی فطرت کے مطابق ہے اور منکر وہ ہے جس کو انسانی فطرت اور ضمیر برا سمجھے۔ جس سوسائٹی کا اوپر ذکر آچکا ہے اس کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ وہ ظلم وزیادتی سے پاک ہوتا ہے۔ اس میں عدل وانصاف کا ماحول ہوتا ہے۔ ایسا سماج استحصال سے پاک ہوتا ہے۔

ہمارا ملک ایک تکثیری سماج (Plural Society) ہے۔ یہاں کسی ایک فرقہ یا گروہ کی تنہا ذمہ داری نہیں ہے کہ وہ ان اہم کاموں کو انجام دے۔ عملاً یہ ممکن بھی نہیں ہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ سارے لوگ مل جل کر مشترکہ کوشش کریں۔ ان مقاصد کے حصول کی ضرورت کسی ایک مذہب کے ماننے والوں یا کسی فرقہ کی نہیں ہے، بلکہ سب کی ضرورت ہے۔ اس سلسلے میں مسلمانوں کا رول بہت اہم اور قائدانہ ہونا چاہیے۔ قرآن میں نیکی اور بھلائی کے کاموں میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرنے اور ظلم اور برائیوں میں ایک دوسرے کا تعاون نہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے: وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ص وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ص (المائدہ:۲) ''جو کام نیکی اور خدا ترسی کے ہیں ان میں سب سے تعاون کرو۔ اور جو گناہ اور زیادتی کے کام ہیں ان میں کسی سے تعاون نہ کرو۔'' مسلمان برادران وطن سے تعلقات بڑھائیں تو سماج کے لیے مفید کاموں کو مشترکہ کوششوں کے ذریعے کامیابی سے انجام دے سکتے ہیں۔ برادران وطن کی شرکت سے انہیں حوصلہ اور قوت فراہم ہو سکے گی۔

مذکورہ کاموں کے بہت سے فائدے سوسائٹی کے تمام افراد اور فرقوں کو حاصل ہوں گے۔ یہ فائدے کسی کے لیے مخصوص نہیں ہیں۔ یہ اہم کام انجام نہ دیے گئے اور غفلت برتی گئی تو اس کے وبال اور نقصان سے کوئی فرقہ یا مذہبی گروہ نہیں بچ سکے گا۔ بعض منکرات تو اتنے مہلک ہیں کہ ان کو مٹانے کی کوششیں نہیں کی گئی تو اللہ کے عذاب کا اندیشہ ہے۔ ان منکرات کی تفصیلات قرآن اور حدیث میں موجود ہیں۔ کیا یہ اہم کوشش برادران وطن سے

دوری اور عدم تعلق کے ساتھ ممکن ہے۔ اس کا جواب یقیناً نفی میں ہوگا۔

برادران وطن سے تعلقات نہ ہونے اور بھلائیوں کے لیے مشترکہ کوششوں کے فقدان کی وجہ سے برائیوں، ظلم وتشدد اور بے انصافی کا گویا ایک طوفان امڈ پڑا ہے۔ اس کی وجہ سے سوسائٹی میں سب پریشان ہیں اور مختلف مسائل سے دوچار ہیں۔ ان مسائل کا حل کسی کی سمجھ میں نہیں آرہا ہے۔

زہریلا اور خطرناک پروپیگنڈا

پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا اور سوشل میڈیا کے ذریعہ بعض نادان افراد اور تنظیمیں مسلسل مسلمانوں کے خلاف پروپیگنڈے کی مہم میں لگے ہوئے ہیں۔

وہ اہل ملک بالخصوص برادران وطن کو یاد کرانا چاہتے ہیں کہ اسلام اور مسلمان ایک بہت بڑا خطرہ ہیں۔ مسلمان دہشت گردی میں ملوث ہیں اور وہ امن کے دشمن اور اکثریتی فرقے کے حریف ہیں وہ اس ملک کے وفادار نہیں ہیں۔ وہ خود کو ملک کے دیگر عوام سے الگ تھلگ رکھتے ہیں۔ محض اپنے فرقہ کے مسائل میں دل چسپی رکھتے ہیں۔

غور فرمائیں کہ اگر اس زہریلے اور غلط پروپیگنڈے کی روک تھام نہیں کی جاتی ہے تو کس طرح کے مضر نتائج پیدا ہوں گے۔ برادران وطن کی نظروں میں مسلمانوں کا مشتبہ اور مشکوک ہونا اور دشمن سمجھا جانا نہایت نقصان دہ بات ہے۔ اس کا ایک نتیجہ یہ بھی ہوگا کہ دونوں ایک دوسرے کے معاملے میں ہم دردی اور بھائی چارہ کے بجائے دشمنی، نفرت اور بغض وعداوت کا رویہ اختیار کریں گے۔ اس طرح امن وامان تباہ ہوگا اور ایک دوسرے کے انسانی حقوق کی پامالی ہونے لگے گی۔ اس کا نقصان دونوں کو ہوگا۔ اس کا حل یہی ہے کہ اس پروپیگنڈے کو بے اثر کرکے اسے غلط ثابت کیا جائے۔

اس اہم کام کے لیے برادران وطن کے ساتھ مسلمانوں کے روابط ہر سطح پر ہونا ناگزیر ہے۔ جب دونوں ایک دوسرے سے دور دور ہی رہیں گے، ملاقاتیں کرکے ایک دوسرے کی خوشیوں اور غموں کو شیئر (Share) نہیں کریں گے تو شکوک وشبہات جنم لیں گے

اور ایک دوسرے کے معاملے میں بے اعتمادی کا ماحول بنا رہے گا۔ اس صورت حال میں ایک چھوٹی سی چنگاری فسادات کی آگ کو بھڑکا دے گی اور امن وامان تباہ ہو جائے گا۔

برادران وطن سے قریبی روابط کے نتیجے میں ایک بڑا فائدہ یہ بھی ہوگا کہ ان کے مختلف پروگراموں، کانفرنسوں اور میٹنگوں میں شرکت کرنے کے مواقع ملیں گے۔ وہاں اظہار خیال اور تبادلہ خیال کے مواقع سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔ اس کی وجہ سے میڈیا کی پھیلائی ہوئی غلط فہمیوں اور بدگمانیوں کو صاف کرنے میں مدد ملے گی۔ راقم السطور کو چند ماہ قبل ایک خوش گوار تجربہ ہوا۔ یوپی کے ایک اہم شہر کی ایک تعلیم یافتہ اونچے گھرانے کی خاتون نے فون پر رابطہ کر کے اپنا تعارف کرایا اور بتایا کہ ان کو شعبۂ دعوت، جماعت اسلامی ہند کی ایک کتاب 'مانوجیون اور پرلوک' ملی تھی۔ انہوں نے اس کا مطالعہ کیا۔ ابتدائی صفحات دیکھنے کے بعد خاتون کا تاثر یہ تھا کہ میڈیا کا رویہ افسوس ناک ہے، وہ مسلمانوں اور اسلام کے خلاف کیوں اتنی غلط فہمیاں پھیلا رہا ہے؟ وہ کتاب کی تعریف کر رہی تھیں کہ اس میں اتنے اچھے خیالات پیش کیے گئے ہیں۔

غرض یہ کہ برادران وطن سے تعلقات اور روابط کے بے شمار فائدے ہیں اور اگر ان کے ساتھ بلاسبب دوری، نفرت اور بیزاری کا رویہ اختیار کیا جاتا ہے تو اس میں نقصان ہے، فائدہ کچھ نہیں۔

مکہ میں اسلام اور رسول اکرمؐ کے خلاف زبردست پروپیگنڈا کیا جا رہا تھا۔ لیکن کیا اس زمانے میں آپؐ اور صحابہ کرامؓ اپنے گھروں میں بند ہو گئے تھے؟ کیا مکہ کے کفار ومشرکین سے روابط ختم کر دیے گئے تھے۔ شعب ابی طالب کے تین سالہ سماجی بائیکاٹ کا دردناک واقعہ پیش آیا، لیکن اس کے باوجود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ نے قبیلوں کے سرداروں اور عام لوگوں سے مسلسل ملاقاتیں کیں، روابط بڑھائے اور اعلیٰ اخلاق کے ذریعہ ان کے دلوں کو موہ لیا۔ یہی چیز تھی، جس کے نتیجے میں قبول اسلام کے لیے راہیں کھلتی چلی گئیں، سارے پروپیگنڈے بے اثر ہو گئے اور مخالفتیں دم توڑنے لگیں۔

لوگوں کی سمجھ میں جب حق بات آجائے گی تو وہ میڈیا اور دوسرے ذرائع سے پھیلائی گئی

غلط فہمیوں کی پروا نہیں کریں گے، لیکن اگر ہم ان سے ملاقاتیں نہیں کریں گے، اور ان کے ساتھ روابط نہیں بڑھائیں گے تو غلط فہمیوں، بدگمانیوں، نفرتوں اور تعصّبات میں اضافہ ہوتا جائے گا۔

فرقہ پرستوں اور فسطائیت کی حامل تنظیموں اور گروپوں کی انتھک اور لگاتار کوششوں کے باوجود آج بھی ملک کے برادران وطن کی اکثریت ان کی ہم نوا نہیں ہے، اس لیے یہ عناصر اپنے مذموم مقاصد اور عزائم کو پورا کرنے میں ناکام ہیں، البتہ یہ ضرور ہے کہ تعصب، نفرت اور مسلم دشمنی میں بہ تدریج اضافہ ہو رہا ہے۔ ایک اہم پہلو پر غور کرنے کی ضرورت ہے وہ یہ کہ فرقہ پرست اور فسطائی ذہن کے لوگوں کی ان تمام افسوس ناک اور تکلیف دہ کوششوں کے باوجود ان سے ربط منقطع نہ کریں۔ ان کی تنظیموں، ذمہ داروں، دانش وروں اور اہم شخصیتوں سے ملاقاتوں اور روابط کا سلسلہ جاری رکھیں۔ اس طرح کی کوششوں کے نہ ہونے کی وجہ سے وہ اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں اپنی غلط معلومات کو صحیح اور مبنی بر حقیقت سمجھتے ہیں۔ ملاقات اور تبادلہ خیالات کے نتیجے میں وہ اپنی رائے بدل بھی سکتے ہیں۔ بعض اوقات برملا کہا گیا کہ انہیں غلط معلومات دی گئی تھیں اور اس پر افسوس کا اظہار بھی کیا گیا۔ راقم السطور کو اس سلسلے میں کئی تجربات ہوئے ہیں۔ جماعت اسلامی ہند کے چند احباب کے ساتھ وفد کی شکل میں ہم نے ان سے ملاقاتیں کیں، بعض لوگوں کے ساتھ ایک سے زائد مرتبہ ملاقاتیں کی گئیں۔ ان کے ساتھ گفتگو اچھی فضا میں ہوئی۔ بعض مسائل پر کھل کر تبادلہ خیال کیا گیا۔ اسلام کا تعارف بھی کرایا گیا۔ عموماً ان کے تاثرات مثبت تھے۔ انہوں نے اس طرح کی ملاقاتوں اور تبادلۂ خیالات کی ضرورت اور اہمیت پر بھی اظہار خیال کیا اور اس سلسلے کو پسند کیا۔

اس اہم حقیقت کو نہیں بھولنا چاہیے کہ فرقہ پرست اور فسطائی طاقتیں ملک کی آبادی کا ایک قلیل حصہ ہیں۔ جو ان سے وابستہ نہیں ہیں اور ان کی فکر و فلسفہ اور سرگرمیوں کو ناپسند کرتے ہیں وہ ملک میں بڑی تعداد میں ہیں۔ ظالموں کے ظلم اور شر پسندوں اور فساد برپا کرنے والوں کے شر و فساد سے تو یقیناً نفرت کرنی چاہیے، لیکن ان کی اصلاح کرنے کی کوشش بھی جاری رکھنی چاہیے۔

اس ضمن میں قرآن کی یہ رہ نمائی کس قدر موثر اور جذبہ انگیز ہے:

وَلَا تَسْتَوِی الْحَسَنَةُ وَلَا السَّیِّئَةُ ط اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَكَ وَبَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ ○ (حٰمٓ السجدہ: ۳۴)

''اور اے نبیؐ! نیکی اور بدی یکساں نہیں ہیں۔ تم بدی کو اس نیکی سے دفع کرو، جو بہترین ہو، تم دیکھو گے کہ تمہارے ساتھ، جس کی عداوت پڑی ہوئی تھی وہ جگری دوست بن گیا ہے۔''

اس آیت کی تفسیر میں مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ فرماتے ہیں:

''اس ارشاد کی پوری معنویت سمجھنے کے لیے وہ حالات نگاہ میں رہنے چاہیے، جن میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ کے واسطے سے آپؐ کے پیروؤں کو یہ ہدایت دی گئی تھی۔ صورت حال یہ تھی کہ دعوتِ حق کا مقابلہ انتہائی ہٹ دھرمی اور سخت جارحانہ مخالفت سے کیا جا رہا تھا، جس میں اخلاق، انسانیت اور شرافت کی ساری حدیں توڑ ڈالی گئی تھیں۔ ہر جھوٹ حضورؐ اور آپؐ کے ساتھیوں کے خلاف بولا جا رہا تھا، ہر طرح کے ہتھکنڈے آپؐ کو بدنام کرنے اور آپؐ کی طرف سے لوگوں کو بدگمان کرنے کے لیے استعمال کیے جا رہے تھے۔ طرح طرح کے الزامات آپؐ پر چسپاں کیے جا رہے تھے اور مخالفانہ پروپیگنڈا کرنے والوں کی ایک فوج آپؐ کے خلاف دلوں میں وسوسے ڈالتے پھر رہی تھی۔ ہر قسم کی اذیتیں آپؐ کو اور آپؐ کے ساتھیوں کو دی جا رہی تھیں، جن سے تنگ آ کر مسلمانوں کی ایک اچھی خاصی تعداد ملک چھوڑ کر نکل جانے پر مجبور ہو گئی تھی، پھر آپؐ کی تبلیغ کو روکنے کے لیے پروگرام یہ بنایا گیا تھا کہ ہلّڑ مچانے والوں کا ایک گروہ ہر وقت آپؐ کی تاک میں لگا رہے اور جب آپؐ دعوتِ حق کے لیے زبان کھولیں، اتنا شور برپا کر دیا جائے کہ کوئی آپؐ کی بات نہ سن سکے۔ یہ ایسے ہمت شکن حالات تھے، جن میں بہ ظاہر دعوت کے تمام راستے مسدود نظر آتے تھے۔ اس وقت مخالفتوں کو توڑنے کا یہ نسخہ حضورؐ کو بتایا گیا۔

پہلی بات یہ فرمائی گئی کہ نیکی اور بدی یکساں نہیں ہیں، یعنی بہ ظاہر تمہارے مخالفین بدی کا کیسا ہی خوف ناک طوفان اٹھا لائے ہوں، جس کے مقابلے میں نیکی بالکل عاجز اور بے بس محسوس ہوتی ہو، لیکن بدی بجائے خود اپنے اندر کم زوری رکھتی ہے، جو

آخر کار اس کا بھٹہ بٹھا دیتی ہے، کیوں کہ انسان جب تک انسان ہے، اس کی فطرت بدی سے نفرت کیے بغیر نہیں رہ سکتی۔ بدی کے ساتھ ہی نہیں، خود اس کے علم بردار تک اپنے دلوں میں یہ جانتے ہیں کہ وہ جھوٹے ہیں، ظالم ہیں اور اپنی اغراض کے لیے ہٹ دھرمی کر رہے ہیں۔ یہ چیز دوسروں کے دلوں میں ان کا وقار پیدا کرنا تو درکنار، انھیں خود اپنی نظروں سے گرا دیتی ہے اور ان کے اپنے دلوں میں ایک چور بیٹھ جاتا ہے جو ہر مخالفانہ اقدام کے وقت ان کے عزم و ہمت پر اندر سے چھاپہ مارتا رہتا ہے۔ اس بدی کے مقابلے میں اگر وہی نیکی، جو بالکل عاجز و بے بس نظر آتی ہے، مسلسل کام کرتی چلی جائے تو وہ آخر کار غالب آ کر رہتی ہے، کیوں کہ اول تو نیکی بجائے خود ہی ایک طاقت ہے جو دلوں کو مسخر کرتی ہے اور آدمی خواہ کتنا ہی بگڑا ہوا ہو، اپنے دل میں اس کی قدر محسوس کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ پھر جب نیکی اور بدی آمنے سامنے مصروفِ پیکار ہوں اور کھل کر دونوں کے جوہر نمایاں ہو جائیں ایسی حالت میں تو ایک مدت کی کش مکش کے بعد کم ہی لوگ ایسے باقی رہ سکتے ہیں جو بدی سے متنفر اور نیکی کے گرویدہ نہ ہو جائیں۔

دوسری بات یہ فرمائی گئی کہ بدی کا مقابلہ محض نیکی سے نہیں، بلکہ اس نیکی سے کرو جو بہت اعلیٰ درجہ کی ہو، یعنی کوئی شخص تمہارے ساتھ برائی کرے اور تم اس کو معاف کر دو تو یہ محض نیکی ہے۔ اعلیٰ درجہ کی نیکی یہ ہے کہ جو تم سے برا سلوک کرے تم موقع آنے پر اس کے ساتھ احسان کرو۔'' (تفہیم القرآن، جلد چہارم، ص ۴۵۷، ۴۵۸)

برادرانِ وطن سے تعلقات۔ قرآن کی رہ نمائی

یہ غلط فہمی نہیں ہونی چاہیے کہ مسلمانوں کو قرآن دوسرے مذاہب کے ماننے والوں اور دیگر قوموں سے تعلقات قائم کرنے سے مطلقاً منع کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝ اِنَّمَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قٰتَلُوْكُمْ فِي

الدِّيْنِ وَاَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ وَظٰهَرُوْا عَلٰٓى اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ ۚ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ۝۹ (الممتحنہ:۸،۹)

''اللہ تمہیں اس بات سے نہیں روکتا کہ تم ان لوگوں کے ساتھ نیکی اور انصاف کا برتاؤ کرو جنہوں نے دین کے معاملے میں تم سے جنگ نہیں کی ہے اور تمہیں تمہارے گھروں سے نہیں نکالا ہے۔ اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ وہ تمہیں جس بات سے روکتا ہے وہ تو یہ ہے کہ تم ان لوگوں سے دوستی کرو جنہوں نے تم سے دین کے معاملے میں جنگ کی ہے اور تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا ہے اور تمہارے اخراج میں ایک دوسرے کی مدد کی ہے۔ ان سے جو لوگ دوستی کریں وہی ظالم ہیں۔''

ان آیات کی تفسیر میں مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ فرماتے ہیں۔

''اس مقام پر ایک شخص کے ذہن میں شبہ پیدا ہوسکتا ہے کہ دشمنی نہ کرنے والے کافروں کے ساتھ نیک برتاؤ تو خیر ٹھیک ہے، مگر کیا انصاف بھی صرف انہی کے لیے مخصوص ہے اور کیا دشمن کافروں کے ساتھ بے انصافی کرنی چاہیے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس سیاق وسباق میں دراصل انصاف ایک خاص مفہوم میں استعمال ہوا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص تمہارے ساتھ عداوت نہیں برتتا انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ تم بھی اس کے ساتھ عداوت نہ برتو۔ دشمن اور غیر دشمن کو ایک درجے میں رکھنا اور دونوں سے ایک ہی سا سلوک کرنا انصاف نہیں ہے۔ تمہیں ان لوگوں کے ساتھ سخت رویہ اختیار کرنے کا حق ہے جنہوں نے ایمان لانے کی پاداش میں تم پر ظلم توڑے اور تم کو وطن سے نکل جانے پر مجبور کیا اور نکالنے کے بعد بھی تمہارا پیچھا نہ چھوڑا، مگر جن لوگوں نے اس ظلم میں کوئی حصہ نہیں لیا، انصاف یہ ہے کہ تم ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو اور رشتہ داری اور برادری کے لحاظ سے ان کے جو حقوق تم پر عائد ہوتے ہیں انہیں ادا کرنے میں کمی نہ کرو۔

اس کے بعد اگلی آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

''سابقہ آیات میں کفار سے جس ترک تعلق کی ہدایت کی گئی تھی اس کے متعلق لوگوں کو یہ غلط فہمی لاحق ہوسکتی تھی کہ یہ ان کے کافر ہونے کی وجہ سے ہے۔ اس لیے ان آیات

میں یہ سمجھایا گیا ہے کہ اس کی اصل وجہ ان کا کفر نہیں، بلکہ اسلام اور اہل اسلام کے ساتھ ان کی عداوت اور ان کی ظالمانہ روش ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کو دشمن کافر اور غیر دشمن کافر میں فرق کرنا چاہیے اور ان کافروں کے ساتھ احسان کا برتاؤ کرنا چاہیے جنہوں نے کبھی ان کے ساتھ کوئی برائی نہ کی ہو۔ اس کی بہترین تشریح وہ واقعہ ہے جو حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ اور ان کی کافر ماں کے درمیان پیش آیا تھا۔

حضرت ابوبکرؓ کی ایک بیوی قتیلہ بنت عبدالعزیٰ کافرہ تھیں اور ہجرت کے بعد مکہ ہی میں رہ گئی تھیں۔ حضرت اسماءؓ انہی کے بطن سے پیدا ہوئی تھیں۔ صلح حدیبیہ کے بعد جب مدینہ اور مکہ کے درمیان آمد و رفت کا راستہ کھل گیا تو وہ بیٹی سے ملنے کے لیے مدینہ آئیں اور کچھ تحفے تحائف بھی لائیں۔ حضرت اسماءؓ کی اپنی روایت یہ ہے کہ میں نے جا کر رسول اللہؐ سے پوچھا: اپنی ماں سے مل لوں؟ اور کیا میں ان سے صلۂ رحمی بھی کر سکتی ہوں؟ حضورؐ نے جواب دیا: اس سے صلۂ رحمی کرو۔ (مسند احمد، بخاری، مسلم)

حضرت اسماءؓ کے صاحب زادے عبداللہ بن زبیرؓ اس واقعہ کی مزید تفصیل یہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت اسماءؓ نے ماں سے ملنے سے انکار کر دیا تھا، بعد میں جب اللہ اور اس کے رسول کی اجازت مل گئی تب وہ ان سے ملیں۔ (مسند احمد، ابن جریر، ابن ابی حاتم)

اس سے خود بخود یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ایک مسلمان کے لیے اپنے کافر ماں باپ کی خدمت کرنا اور اپنے کافر بھائی بہنوں اور رشتہ داروں کی مدد کرنا جائز ہے، جب کہ وہ دشمنِ اسلام نہ ہوں۔ اور اس طرح ذمی مساکین پر صدقات بھی صرف کیے جا سکتے ہیں۔''

(احکام القرآن للجصاص۔ روح المعانی) (بہ حوالہ تفہیم القرآن، جلد پنجم، صفحہ ۴۳۳، ۴۳۴)

اس آیت کی تفسیر میں علامہ شبیر احمد عثمانیؒ تحریر فرماتے ہیں:

'' یعنی اللہ کی قدرت و رحمت سے کچھ بعید نہیں کہ جو آج بدترین دشمن ہیں، کل انہیں مسلمان کر دے اور اس طرح تمہارے اور ان کے درمیان دوستانہ اور برادرانہ تعلقات قائم ہو جائیں، چنانچہ فتح مکہ میں ایسا ہی ہوا۔ تقریباً سب مکہ والے مسلمان ہو گئے اور جو لوگ ایک دوسرے پر تلوار اٹھا رہے تھے، اب ایک دوسرے پر جان قربان کرنے لگے۔

مکہ میں کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو مسلمان نہیں ہوئے تھے اور مسلمان ہونے والوں سے ضد اور پرخاش بھی نہیں رکھی۔ نہ دین کے معاملے میں ان سے لڑے، نہ ان کو ستانے اور نکالنے میں ظالموں کے مددگار بنے۔ اس قسم کے کافروں کے ساتھ بھلائی اور خوش خلقی سے پیش آنے کو اسلام نہیں روکتا۔ جب وہ تمہارے ساتھ نرمی اور رواداری سے پیش آتے ہیں تو انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ تم بھی ان کے ساتھ اچھا سلوک کرو اور دنیا کو دکھلا دو کہ اسلامی اخلاق کا معیار کس قدر بلند ہے۔ اسلام کی تعلیم یہ نہیں کہ اگر کافروں کی ایک قوم مسلمانوں سے برسر پیکار ہے تو تمام کافروں کو بلاتمیز ایک ہی لاٹھی سے ہانکنا شروع کر دیں۔ ایسا کرنا حکمت اور انصاف کے خلاف ہوگا۔''

(تفسیر شبیر احمد عثمانی، صفحہ ۷۲۹)

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ۡ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ؕ اِعْدِلُوْا ۟ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۡ (المائدۃ:۸)

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ کی خاطر راستی پر قائم رہنے والے اور انصاف کی گواہی دینے والے بنو۔ کسی گروہ کی دشمنی تمہیں اتنا نہ مشتعل کر دے کہ تم انصاف سے پھر جاؤ، بلکہ انصاف کرو، یہ خدا ترسی سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے۔''

اس آیت کے فقرہ ''کسی گروہ کی دشمنی تمہیں اتنا مشتعل نہ کر دے کہ تم انصاف سے پھر جاؤ'' کی تشریح کرتے ہوئے مولانا امین احسن اصلاحیؒ لکھتے ہیں:

''یہ حق و عدل کی راہ کے سب سے بڑے فتنے سے آگاہ کیا گیا ہے کہ کسی قوم کی دشمنی اور اس کا غلط سے غلط رویہ بھی ہمیں اس حق و عدل سے ہٹانے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ شیطان نے راہ حق سے گمراہ کرنے میں سب سے زیادہ جس حربے سے کام لیا وہ یہی ایک دوسرے کے ساتھ دشمنی کا حربہ ہے۔ یہود نے محض بنی اسماعیل اور مسلمانوں کی دشمنی میں اس تمام عہد و پیمان کو خاک میں ملا دیا، جس کے وہ گواہ اور ذمہ دار بنائے گئے تھے۔ اس وجہ سے مسلمانوں سے یہ عہد لیا گیا کہ وہ شیطان کے اس فتنے سے بچ

کے رہیں۔ دوستوں اور دشمنوں دونوں کے لیے ان کے پاس بس ایک ہی باٹ اور ایک ہی ترازو ہو۔

اِعْدِلُوا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی یہی عدل، تقویٰ سے اقرب ہے۔ یعنی تقویٰ جو تمام دین و شریعت کی روح اور اہل ایمان کے ہر قول و فعل کے لیے کسوٹی ہے، اس سے موافقت رکھنے والا طرزِ عمل یہی ہے کہ دشمن کی دشمنی کے باوجود اس کے ساتھ کوئی معاملہ عدل و حق سے ہٹ کر نہ کیا جائے۔'' (تدبر قرآن، جلد دوم، صفحہ ۴۷۱)

قرآن میں غیر مسلموں سے تعلقات رکھنے کے لیے جہاں بھی کہا گیا ہے اس کی وضاحت ضروری ہے۔ مولانا سید جلال الدین عمری 'غیر مسلموں سے عدم تعلق کے احکام کا پس منظر' عنوان کے تحت لکھتے ہیں:

''اسلام نے غیر مسلموں سے ایمان اور عقیدے کے سارے اختلاف کے باوجود ان کے ساتھ تعلقات رکھنے اور ان کے حقوق ادا کرنے کی جو بے نظیر تعلیم دی ہے اس سے واقفیت کے بعد ایک سوال پیدا ہوتا ہے یا پیدا کیا جاتا ہے، وہ یہ کہ قرآن مجید نے غیر مسلموں سے عدم موالات اور ان سے بے تعلقی کی بھی تو ہدایت کی ہے، اسے کس طرح نظر انداز کیا جا سکتا ہے؟ اس امر کی سنگینی اس وقت بڑھ جاتی ہے جب کہ وہ مخالفین سے جنگ اور جہاد کا حکم دیتا ہے۔ یہ سوال بار بار اور مختلف انداز میں اس طرح اٹھایا جاتا ہے گویا قرآن مجید کی اصل تعلیم ہی یہ ہے کہ غیر مسلمین سے مبارزت اور کشت و خون کا بازار گرم رکھا جائے اور قرآن اسی لیے نازل ہوا ہے کہ جو اسے نہ مانے، اس کا سر تن سے جدا کر دیا جائے۔

قرآن مجید کی جن آیات میں غیر مسلمین سے تعلقات نہ رکھنے کا حکم دیا گیا ہے ان کا موقع و محل اور سیاق و سباق بالکل الگ ہے۔ یہ اگر پیش نظر نہ ہو تو غلط فہمی کا امکان رہتا ہے اور دیدہ و دانستہ اسے نظر انداز کرنے سے بے جا اعتراضات کا ایک طویل سلسلہ چل پڑتا ہے، بلکہ اسے اسلام کی صاف و شفاف تعلیمات پر گرد و غبار اڑانے کے لیے بھی استعمال کیا جا سکتا ہے اور کیا جاتا ہے۔ ان آیات کو سمجھنے کے لیے سب سے پہلے ان حالات کو سامنے رکھنا ہوگا جن میں وہ نازل ہوئیں۔

اسلامی تاریخ کے بالکل ابتدائی دور کی یاد ذہن میں تازہ کیجیے، جب اس کی دعوت آہستہ آہستہ عام ہوتی گئی اور مدینہ میں ایک چھوٹی سی اسلامی ریاست وجود میں آ گئی۔ اس واقعہ نے مخالفین کی صفوں میں اضطراب اور ہلچل پیدا کردی اور مخالفت کی آندھی زیادہ شدت سے ہر طرف چلنے لگی۔ مشرکین اور یہود و نصاریٰ اپنے اپنے اختلافات کو بھول کر اسلام کے خلاف متحد ہو گئے۔ ہر طرح کی سازشوں کا ایک جال بچھا دیا گیا اور مسلسل حالتِ جنگ قائم کردی گئی، اسلام اور مسلمانوں کو مٹانے کی جو بھی تدبیر کی جاسکتی تھی، وہ بے دریغ اختیار کی جانے لگی۔

ان حالات میں مسلمانوں کو اسلام پر ثابت قدمی کی ہدایت کی گئی، دین و ایمان کے تقاضے واضح کیے گئے اور بتایا گیا کہ جو لوگ اسلام کے دشمن ہیں اور اسے بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکنا چاہتے ہیں ان سے انہیں دور رہنا چاہیے۔ ان سے رازدارانہ تعلقات اور ذہنی قربت و یگانگت ایمان کے منافی ہے۔

منافقوں کے کردار سے بھی پردہ ہٹایا گیا اور مخلص مسلمانوں سے کہا گیا کہ وہ ان کی پس پردہ سازشوں سے ہوشیار رہیں۔ یہ مار آستین کھلے دشمنوں سے زیادہ خطرناک ہیں۔ اسلام کے ان کھلے اور چھپے دشمنوں سے تعلقات ایمان کے منافی بھی تھے اور خالص سیاسی نقطۂ نظر سے بھی بے حد مہلک اور تباہ کن تھے۔ اس سے اسلامی ریاست سنگین خطرات سے دوچار ہوسکتی تھی۔ اس کا تحفظ ضروری تھا۔ دنیا کی کوئی بھی حکومت دشمن سے تعلقات قائم کرنے، اس سے رازدارانہ معاملات کرنے، اسے خفیہ معلومات فراہم کرنے اور بالواسطہ یا بلاواسطہ اس کی سازشوں میں شریک ہونے کی ہرگز اجازت نہیں دے سکتی۔ مسلمانوں کو اپنے ان مخالفین سے تعلق نہ رکھنے کا قرآن مجید کی جن آیات میں حکم دیا گیا ہے، ان کے آگے پیچھے اور بعض اوقات ان ہی آیات میں اس کا پس منظر صاف موجود ہے۔'' (غیر مسلموں سے تعلقات اور ان کے حقوق، صفحہ ۲۷۶ تا ۲۷۸)

روابط کا آغاز کیسے کریں؟

پچھلے صفحات میں، جو باتیں بیان کی گئی ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے کہ مسلمان انفرادی اور اجتماعی حیثیت میں فریضۂ دعوت کی ادائیگی کے لیے منتخب کیے گئے ہیں۔ انہیں اپنی داعیانہ حیثیت اور دعوتی ذمہ داری کا گہرا شعور ہونا چاہیے۔ یہ عظیم فریضہ اللہ تعالیٰ نے ان پر عائد کیا ہے۔ سارے برادران وطن، مسلمانوں کے حریف یا فریق اور دشمن نہیں ہیں۔ وہ مسلمانوں کے انسانی بھائی اور ہم وطن ہیں۔ بہت سے خدا کی تلاش اور حق پانے کی جستجو میں لگے ہوئے ہیں۔ ان کے اخروی انجام کی فکر مسلمانوں کو ہونی چاہیے کہ کہیں توحید سے محرومی اور شرک کے اعمال کی وجہ سے وہ جہنم کی آگ میں نہ داخل کیے جائیں۔ فریضۂ دعوت کی ادائیگی اور حجت قائم کرنے کے لیے مسلمانوں اور برادران وطن کے درمیان روابط ضروری ہیں۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے زمانے میں دعوت دینے کے بعد لوگوں کے انکار کی وجہ سے جہنم کے خطرے میں مبتلا ہونے سے بچانے کی کس قدر تڑپ تھی۔ اس کا اندازہ درج ذیل قرآنی ارشادات سے کیا جاسکتا ہے:

فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا (الکہف:۶)

''اے نبیؐ! آپ اپنے کو اس غم میں ہلاک کیے دے رہے ہیں کہ یہ لوگ ایمان نہیں لاتے۔''

فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرٰتٍ ط (فاطر:۸)

''ان کے غم اور افسوس میں اپنے نفس کو مت گھلائیے۔''

لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ط (البقرہ:۲۷۲)

''ان کی ہدایت آپ کے ذمہ نہیں ہے بلکہ اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔''

اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ج

(القصص:۵۶)

''آپ جس سے محبت کرتے ہیں ان کو ہدایت نہیں دے سکتے، اللہ جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔''

ایک حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ ''اے لوگو! میں تمہاری کمر پکڑ پکڑ کر جہنم کی آگ میں تمہیں گرنے سے بچانے کی کوشش کر رہا ہوں، لیکن تم اپنے شرک اور کفر کی وجہ سے اسی آگ میں گرنا چاہتے ہو۔'' (بخاری: ۶۴۸۳، مسلم: ۲۲۸۴)

وطنی بھائیوں کی خیرخواہی کا تقاضا ہے کہ انھیں جہنم کی آگ سے بچانے کی خاطر دعوت دین ان تک پہنچائیں۔ قبول حق کے لیے دعا کریں۔ یہ کام ان سے ربط قائم کیے بغیر انجام نہیں دیا جاسکتا۔ ان سے قریب ہونے اور خیرخواہی کا حق ادا کرنے کے لیے ربط قائم کرنا ضروری ہے۔ تعلقات کے بعد گفتگو، تبادلۂ خیالات اور اسلام کی تعلیمات کو پیش کرنے کا موقع آتا ہے۔ ہمارے عملی رویے، اخلاق اور سیرت و کردار کے ذریعے بھی وہ اسلامی تعلیمات سے واقف ہوں گے۔ یہ واقفیت ان کو اسلام سے قریب کردے گی۔ اس لیے ربط قائم کرنے کے لیے آپ یکسو ہوجائیں۔ زندگی میں بعض ضروری کام ایسے بھی ہوتے ہیں جن کے لیے ہمارے اندر آمادگی نہیں ہوتی، لیکن ہم ان کو کرتے ہیں۔ ان کی ضرورت اور فائدے ایسے ہوتے ہیں کہ ہم انہیں نظرانداز نہیں کرسکتے۔ اسی طرح کا معاملہ برادران وطن سے تعلقات قائم کرنے کا ہے۔ صدیوں سے ان سے دوری، ان کے متعلق بعض غلط فہمیوں کی موجودگی اور ذہنی ونفسیاتی رکاوٹوں کی وجہ سے مسلمانوں کے اندر اس اہم کام کے لیے آمادگی نظر نہیں آتی، لیکن موجودہ سنگین حالات ہمیں متوجہ کرتے ہیں، فریضۂ دعوت کی ادائیگی، ملکی سماج کی تعمیر وترقی اور اخروی زندگی میں ان کی اور اپنی نجات کے لیے ہمیں اس کام کے لیے خود کو آمادہ کرنا چاہیے۔

ربط قائم کرنے کا عمل مشکل اور ناممکن نہیں ہے، بلکہ آسان ہے۔ اس کام کو فطری

انداز میں کرنا چاہیے۔ آپ کو یقین ہونا چاہیے کہ برادران وطن، جن سے ربط قائم کرنا ہے، ملاقات سے خوش ہوتے ہیں، پسند بھی کرتے ہیں اور ناراض نہیں ہوتے۔ بعض مثالیں ایسی بھی پائی گئی ہیں کہ مسلمانوں سے گہرے روابط قائم ہونے کے بعد وہ اپنے گھریلو مسائل اور معاملات میں مشورہ بھی کرتے ہیں۔

ربط قائم کرنے کے لیے آغاز آپ ہی کو کرنا ہے۔ اس کی توقع نہیں کی جاسکتی کہ کوئی برادر وطن خود اپنے طور پر آ کر آپ سے ملے اور پہل کرے۔ آپ کے محلے میں یا دوکان، آفس وغیرہ پر کسی بھی برادرِ وطن سے تعلقات قائم کرنے کا فیصلہ اور انتخاب آپ کر سکتے ہیں۔ پہلے آپ ان سے تعارف حاصل کریں، پھر اپنا تعارف کرائیں۔ ان سے وقفوں کے ساتھ ملاقاتوں کا سلسلہ جاری رکھیں۔ ان سے تعلق قائم ہونے کے دوران آپ ان سے اسلام پر گفتگو کریں۔ مطالعہ کے لیے ان کو ابتدائی کتب دیں۔ سیرت رسولؐ پر مختصر کتاب بھی ضرور دینی چاہیے، پہلی ملاقات میں توحید، شرک اور آخرت پر گفتگو کرنا بہتر ہوگا۔ برادران وطن ایسی گفتگو پسند کرتے ہیں۔ وہ اس میں دل چسپی لیتے ہیں۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ پہلی ملاقات ہی آخری ملاقات بن جاتی ہے۔ اس لیے اگر پہلے سے اس کا اندازہ ہو تو توحید، رسالت اور آخرت اور ان عقائد کے تقاضوں کو مختصر طور پر سمجھانا چاہیے۔ اسی گفتگو میں شرک، اوتار واد اور آواگمن کی تردید بھی کرنی چاہیے۔

ایسے مواقع بھی پیش آتے ہیں جب کوئی سفر ہوتا ہے یا کسی تعلیمی ادارے، اسپتال، بس اڈہ یا ریلوے اسٹیشن پر برادران وطن موجود ہوتے ہیں۔ اگر ان سے تعارف حاصل کر کے اس موقع پر ایک طرح کا تعلق پیدا کرلیا جائے تو اس کو مستقل تعلق میں تبدیل کیا جاسکتا ہے۔ ایسے عارضی اور ہنگامی مواقع سے بھی فائدہ اٹھانا چاہیے۔

اس سلسلے میں بعض حضرات کو ایک الجھن ہوتی ہے۔ جب کسی برادر وطن کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کی جا چکی ہو اور اسلامی تعلیمات پر گفتگو ہو چکی ہو تو اس کے بعد ملاقاتوں میں پھر ہر مرتبہ اسلام پر کیا گفتگو کی جائے؟ دراصل ہر ملاقات اور ہر موقع پر اسلام کے حوالے سے گفتگو کرنا ضروری نہیں ہے۔ پچھلے صفحات میں یہ بات بتائی جا چکی ہے کہ ان کے یہاں خوشی اور غم کے موقعوں پر شرکت اور ان کی دل جوئی کرنا اور گفتگو کے دوران ایک قرآنی آیت یا

حدیث کے مفہوم کو پیش کر دینا بھی دعوت ہے۔آپ کا مجموعی رویہ، حسن سلوک اور حسن اخلاق وغیرہ سب دعوت ہی ہے۔ان کے مسائل میں دل چسپی لیں اور انھیں مشورے دیں۔مختصر کتابیں اور فولڈرس ان کو فراہم کریں۔اس سلسلہ کو برابر جاری رکھیں۔ یہ سب دعوت سے الگ نہیں۔غرض یہ کہ برادران وطن سے مسلسل روابط رکھنے چاہییں، خواہ وہ حق قبول کریں یا نہ کریں۔اگر آپ کا تعلق کسی دینی تنظیم یا ادارے سے ہے تو اُن کو اس کے پروگراموں میں شریک کرا سکتے ہیں۔

اب تک کی تفصیلات برادران وطن سے انفرادی سطح پر ہنگامی اور وقتی طور پر تعلقات کے ضمن میں تھیں۔خاندانی سطح پر روابط کی بھی اہمیت ہے اور فائدے ہیں۔اس کے متعلق کچھ مشورے درج ذیل ہیں:

خاندانی سطح پر روابط

آج کے حالات میں یہ بات عجیب سی معلوم ہوگی کہ کوئی مسلمان اپنی فیملی کے ساتھ کسی غیر مسلم فیملی کے پاس جائے، یا ان سے ربط قائم کرنے کے لیے ملاقاتیں کرے، لیکن یہ کام مفید ہے۔خاندانی سطح پر روابط کے بہت فائدے ہیں۔ یہ اسلام اور مسلمانوں کے تعلق سے غلط فہمیوں اور بدگمانیوں کو دور کرنے کا کام یاب قدم ہے۔اگر مسلمان محلوں، کالونیوں، گاؤں اور شہروں میں برادران وطن سے خاندانی سطح پر تعلقات قائم کرنے میں کام یاب ہوجاتے ہیں تو فرقہ پرستوں کی کوششیں کام یاب نہیں ہوسکیں گی۔امن وامان کی برقراری میں اس سے مدد ملے گی۔ فرقہ پرست اور فسطائی تنظیمیں چاہتی ہیں کہ برادران وطن اور مسلمان ایک دوسرے سے الگ رہیں، مل نہ سکیں۔گویا مسلمانوں کو الگ تھلگ (Isolate) کر دیا جائے۔

خاندانی سطح پر روابط قائم کرنا ایک آسان عمل ہے۔ پہلے آپ کے تعلقات انفرادی سطح پر قائم ہوتے ہیں۔اس کو خاندانی سطح تک لے جانا ہے۔اس کے لیے ضروری ہے کہ اہل خانہ کو پہلے اس عمل کی اہمیت اور ضرورت سمجھائی جائے۔شرعی حدود کے اندر رہ کر اس کام کو انجام دینے کے لیے ان کی ذہن سازی ضروری ہے۔

خاندانی سطح پر ربط قائم ہونے کے بعد ایک دوسرے کے ہاں گھروں میں آنا جانا ہوگا۔ برادران وطن کے یہاں تہواروں کے مواقع پر شرک سے جڑی رسموں اور کاموں سے بچنا چاہیے۔ اللہ کے سوا کسی اور کے نام پر چڑھاوا سے پرہیز کرنا لازم ہے۔ ایسا موقع پیش آئے تو انہیں اسلامی تعلیمات بالخصوص توحید کی حقیقت بتائی جائے اور شرک کے نقصانات واضح کیے جائیں، پھر کھانے پینے کے سلسلے میں اپنی احتیاط کا ذکر کیا جائے تو وہ اس بات کو سمجھ لیتے ہیں اور اصرار نہیں کرتے کہ آپ لازماً ان چیزوں کا استعمال کریں۔ آپ کی جانب سے وضاحت کے بعد ان کی غلط فہمی دور ہو جاتی ہے اور وہ اس کا برا نہیں مانتے۔

جب خاندانی سطح پر روابط مستحکم ہو جائیں تو آپ کے لیے موقع رہتا ہے کہ انہیں مسائل اور معاملات میں مناسب مشورے دیں۔ آج ہر جگہ نفسا نفسی کا عالم ہے۔ مادہ پرستی اور خود غرضی کی انتہا ہے کہ جوان اولاد اپنے والدین کو بوڑھوں کے گھر (Old Age Homes) میں داخل کرا دیتی ہے۔ اس کے بعد ان کا کوئی پرسان حال نہیں ہوتا۔ گھر بکھرتے جا رہے ہیں۔ ان حالات میں برادرانِ وطن کے ساتھ ہمدردی، خیر خواہی اور بے لوث خدمت کا رویہ اختیار کرنا نہایت ضروری ہے۔

خاندانی سطح پر روابط، اسلام کے صحیح تعارف اور غلط فہمیوں کو دور کرنے کے ساتھ دعوت کو پیش کرنے کے لیے مفید ہیں۔ برادران وطن کے گھروں میں نئی نسل بالعموم اپنے آبائی مذہب سے غیر مطمئن زندگی بسر کرتی ہے۔ اس کے سامنے دین حق کا بھرپور تعارف کرایا جائے تو وہ متاثر ہوتی ہے۔

خاندانی سطح پر روابط قائم کرنے کے سلسلے میں بعض باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ ایک بات تہواروں میں شرکت سے متعلق آچکی ہے۔ شرک سے بچنے کے لیے تہواروں میں نہ جانا مناسب ہے، لیکن ان کو محبت اور دل سوزی کے ساتھ یہ بات سمجھانی چاہیے۔ البتہ جب برادرانِ وطن اپنے تہواروں میں پوجا پاٹ اور مشرکانہ رسوم ادا کر چکیں، اس کے بعد دوسرے یا تیسرے دن ان سے ملاقات کے لیے جانا مناسب ہوگا۔ یہ موقع ہوتا ہے کہ ان کو توحید کے عملی تقاضے بتائے جائیں۔ شرک کے نقصانات سے آگاہ کیا جائے۔ دوسری بات یہ ہے کہ ان کے ہاں پردہ کا اور مردوں اور خواتین کی علیٰحدہ نشستوں یا مجلسوں کا تصور نہیں پایا جاتا۔

یہ صورت حال موقع فراہم کرتی ہے کہ اسلام کے معاشرتی نظام کا تعارف کرایا جائے۔ پردہ اورعورت کی حیثیت اورحقوق، خاندانی نظام وغیرہ جیسے اہم موضوعات پر روشنی ڈالی جائے۔ وہ یقیناً اس گفتگو سے متاثر ہوں گے، کیوں کہ دنیا میں آج کسی فکروفلسفہ اور مذہب میں ایسی معقول تعلیمات نہیں پائی جاتی ہیں۔ برادران وطن کی فیملی (خاندان) کے ساتھ ملاقات کے موقع پر ان کے ٹی وی پر نامناسب پروگرام یا فلمیں دکھائی جارہی ہوں تو نہایت نرمی اور شائستگی سے ان کو بند کرانا چاہیے۔ ایسا نہیں ہونا چاہیے کہ آپ بھی دل چسپی کے ساتھ غلط پروگرام دیکھنے لگیں، کبھی دورانِ گفتگو ان کی طرف سے یہ بات آسکتی ہے کہ سارے مذاہب سچے ہیں۔ یہ سب الگ الگ راستے ہیں، لیکن منزل ایک ہی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ بات صحیح نہیں ہے۔ اس کی تردید ضروری ہے، جو دلائل، حکمت، تدریج اور دل سوزی کے ساتھ کرنی چاہیے۔ البتہ اس کو گفتگو میں رکاوٹ بننے نہ دیں۔ اس مسئلے میں خاموشی اختیار کرنے کا مطلب یہ ہوگا کہ آپ وحدت ادیان کے قائل ہیں۔ اس مسئلے میں دلائل کی تفصیلات کو جاننے کے لیے راقم کی کتاب ''وحدت ادیان کی حقیقت'' کا مطالعہ مفید ہوگا۔

برادرانِ وطن سے تعلقات

احادیث اور اسوۂ رسولؐ کی روشنی میں

برادران وطن سے روابط کے سلسلے میں قرآنی آیات کے حوالے سے کچھ باتیں پچھلے صفحات میں پیش کی گئی ہیں۔ احادیث رسولؐ میں اس اہم موضوع پر رہ نمائی موجود ہے۔ حضورؐ کی زندگی کے بعض واقعات سے اسلام کے مزاج کو سمجھنے میں بڑی مدد ملتی ہے۔ ذیل میں احادیث رسولؐ اور سیرت مبارکہ سے منتخب واقعات درج کیے جاتے ہیں۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

''تم مومن نہیں ہوسکتے جب تک کہ ایک دوسرے پر رحم نہ کرو۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ یارسول اللہؐ! ہم میں سے ہر ایک رحیم ہے۔ آپؐ نے فرمایا: میرا مطلب یہ نہیں ہے کہ تم میں سے کوئی اپنے ساتھی پر رحم کرے، بلکہ میری مراد رحمت عام سے ہے۔''

(مستدرک حاکم، ج ۴، ص ۱۶۷)

یعنی ایمان کا اہم تقاضا رحم ہے۔ اس کو پورا نہ کیا جائے تو وہ ایمان معتبر نہیں ہے۔ مقصود یہ ہے کہ مسلمان سارے انسانوں کا خیر خواہ اور ہم درد بن کر رحم و کرم کا معاملہ کرے۔ اس کے لیے انسانوں سے تعلق کا ہونا ضروری ہے۔

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''ایک دوسرے کے ساتھ تعلقات منقطع نہ کرو، ایک دوسرے سے منہ نہ پھیرو، ایک

دوسرے سے کینہ نہ رکھو، ایک دوسرے سے حسد نہ کرو، خدا کے بندے اور بھائی بھائی بن کر رہو۔'' (ترمذی)

''لوگوں کے لیے وہی پسند کرو جو تم اپنے لیے پسند کرتے ہو، تب تم مسلم ہو گے۔''

دوسری حدیث میں پڑوسی کا ذکر ہے یعنی پڑوسی کے لیے وہی پسند کرو۔ (ترمذی)

''ساری مخلوق اللہ کا کنبہ ہے اور اس کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ وہ شخص ہے جو اس کے کنبہ کے ساتھ نیکی کرے۔'' (طبرانی و بیہقی)

''ساری مخلوق اللہ کا کنبہ ہے۔ تم میں اللہ کے نزدیک بہترین وہ شخص ہے جو اس کی مخلوق سے حسن سلوک کرے۔''

بہ وقت تہجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وضو کے بعد اپنی سیدھی انگلی آسمان کی طرف اشارہ کر کے فرماتے: ''اے اللہ! میں گواہی دیتا ہوں کہ تو اکیلا ہی معبود ہے، تیرا کوئی شریک نہیں ہے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ دنیا کے تمام انسان تیرے بندے اور آپس میں بھائی بھائی ہیں۔''

ایک حدیث قدسی میں اللہ کے رسولؐ ارشاد فرماتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ قیامت میں فرمائے گا: اے ابن آدم! میں بیمار ہوا، لیکن تو نے میری عیادت نہیں کی۔ بندہ عرض کرے گا: میں تیری عیادت کس طرح کرتا، تو خود سارے جہاں کا پروردگار ہے۔ اللہ فرمائے گا: کیا تجھ کو نہیں معلوم کہ میرا فلاں بندہ بیمار پڑا، لیکن تو نے اس کی عیادت نہیں کی۔ اگر تو اس کی عیادت کرتا تو مجھ کو اس کے پاس موجود پاتا۔ اے ابن آدم! میں نے تجھ سے کھانا مانگا، لیکن تو نے مجھے کھانا نہیں کھلایا۔ بندہ عرض کرے گا: پروردگار! تو خود رب العالمین ہے میں تجھ کو کس طرح کھلاتا؟ اللہ فرمائے گا: میرے فلاں بندہ نے تجھ سے کھانا مانگا تھا، لیکن تو نے اسے نہیں کھلایا اگر تو اسے کھلاتا تو اس کھانے کو میرے پاس موجود پاتا۔ اے ابن آدم! میں نے تجھ سے پانی مانگا، لیکن تو نے نہیں پلایا۔ بندہ عرض کرے گا: پروردگار! میں تجھ کو کس طرح پانی پلاتا؟ تو خود رب العالمین ہے۔ اللہ فرمائے گا: میرے فلاں بندے نے تجھ سے پانی مانگا، مگر تو نے اسے نہیں پلایا۔ اگر تو پلاتا تو میرے پاس

موجود پاتا۔'' (مسلم)

برادرانِ وطن سے تعلقات کے ضمن میں اسوۂ رسولؐ کے حوالے سے مولانا عبداللہ جولم عمری لکھتے ہیں:

''اسلام کی یہ تعلیم محض نظریاتی قسم کی نہ تھی، بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں اس پر عمل کر کے دکھایا۔ چنانچہ آپؐ نے غیر مسلموں کے ساتھ تعلق قائم کیا، ان کے ساتھ حسنِ سلوک کیا، انہیں فائدہ پہنچایا، انہیں قبول اسلام کی دعوت دی اور جو غیر مسلم مشرف بہ اسلام ہونے کے لیے تیار ہوئے انہیں داخلِ اسلام کرلیا۔ اس سلسلے کی بے شمار مثالیں احادیث اور سیرت کی کتابوں میں ملتی ہیں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مشرکین کے ساتھ گہرے تعلقات تھے، چنانچہ آپؐ نے مشرکین سے ہدیہ قبول کیا اور انہیں اپنی طرف سے بھی ہدیہ دیا۔

یہ بات بھی ذہن میں رہنی چاہیے کہ غیر مسلموں سے تعلقات کی استواری کا مقصد دعوت ہے۔ جب بھی موقع ملے، ان تعلقات سے فائدہ اٹھا کر انہیں دین کی دعوت دی جائے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلقات اپنے چچا ابوطالب سے تھے، جو مشرک تھے اور ایک یہودی غلام سے بھی تھے جو آپؐ کی خدمت کیا کرتا تھا۔ آپؐ نے ان تعلقات سے فائدہ اٹھا کر انہیں دین کی دعوت دی۔ جب ابوطالب کی وفات کا وقت قریب آیا تو اس وقت بھی آپؐ نے انہیں ایک اللہ کی عبادت کی دعوت دی، مگر وہ توفیق الٰہی سے محروم رہے۔ اس کے برعکس یہودی غلام کو مرض الموت میں جب آپؐ نے دعوت دی تو اسے توفیق الٰہی نصیب ہوئی اور وہ مشرف بہ اسلام ہوا۔''

(ماہ نامہ راہ اعتدال، جون ۲۰۱۶، ص ۷۵، ۷۶)

برادرانِ وطن اور انسانی حقوق

اسلام ایک مکمل نظام زندگی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسلام کو اپنے تمام بندوں کے لیے مقبول اور پسندیدہ قرار دیا ہے۔ اسلام کا امتیاز یہ ہے کہ ماننے والوں ہی کے نہیں، انکار کرنے والوں کے حقوق بھی اس نے مقرر کر دیے ہیں۔ اسلام نے انسانی حقوق کی بنیاد انسان کی عظمت، تکریم اور زمین میں اللہ تعالیٰ کے نائب اور خلیفہ ہونے پر رکھی ہے، اس لیے یہ حقوق پوری انسانی زندگی کا احاطہ کرتے ہیں۔ اس مقام کو کوئی اور فلسفہ یا نظریہ نہیں پاسکا۔ اسلامی نظام میں یہ حقوق پانے کے لیے انسان کو مطالبات اور سخت جدوجہد نہیں کرنی پڑتی۔ خالق نے خود اپنی مرضی سے یہ حقوق اسے عطا کیے ہیں۔ ان کو چھیننا یا ان پر ڈاکہ ڈالنا خود خالق کائنات سے بغاوت کرنا ہے۔ ظلم وزیادتی اور فساد برپا کرنا انسانیت پر جرم عظیم ہے۔

دور جدید میں انسانی حقوق کا جتنا چرچا ہے اتنا ہی ان کو پامال کیا جارہا ہے۔ اس کے نتیجے میں انسان عزوشرف اور عظمت واحترام سے محروم ہوچکا ہے۔ جدید دور میں انسانی حقوق کو بہ ظاہر تو بڑی اہمیت دی گئی ہے، لیکن یہ نافذ کہاں ہیں؟ ہر جگہ، اقلیتوں، کمزور طبقات، خواتین اور معاشی وسماجی اعتبار سے پس ماندہ لوگوں کے حقوق بری طرح پامال کیے جارہے ہیں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک سیرت میں میثاقِ مدینہ اور خطبۂ حجۃ الوداع کو انسانی حقوق کے اولین چارٹر کی حیثیت حاصل ہے۔ ان کا اہم پہلو یہ ہے کہ یہ محض کاغذی اعلانات نہ تھے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانی حقوق کا نفاذ مدینہ اور پورے عرب میں فرمایا۔ مذہبی اقلیتوں کو عملاً پورے حقوق حاصل تھے۔ انسانی حقوق کی خلاف ورزی فرد، معاشرہ یا ریاست

کسی کی طرف سے ہو، اس کا فوری نوٹس لیا جاتا اور حقوق بحال کر دیے جاتے تھے۔ خلفائے راشدین کے دور تک یہی صورت حال رہی۔ خلافت جب ملوکیت میں تبدیل ہوتی چلی گئی تو بتدریج اس کیفیت میں زوال آ گیا، تاہم بگاڑ کے دور میں بھی مسلمانوں اور ان کی حکومتوں کا رویہ اقلیتوں کے ساتھ بہت اچھا رہا۔

ہمارے ملک میں برادرانِ وطن کی ایک بڑی آبادی مسلمانوں کے سلسلے میں بری رائے نہیں رکھتی۔ ان کے اندر مسلمانوں کے لیے نفرت اور دشمنی کے جذبات نہیں پائے جاتے۔ ایک قلیل آبادی مسلمانوں سے نفرت اور دشمنی کا رویہ رکھتی ہے۔ اس کی بڑی وجہ بھی غلط فہمیاں اور بدگمانیاں ہیں۔ اگر ان کو دور کر دیا جائے تو اس قلیل گروہ میں سے بھی بہت سوں کی نفرت اور دشمنی دور ہو سکتی ہے۔ البتہ مسلمانوں کے لیے تمام انسانوں کا انسانی احترام اور انسانی حقوق کی ادائیگی ضروری ہے۔ غیر مزاحم افراد سے نفرت، دشمنی اور انتقام کے جذبات رکھنا صحیح نہیں ہے۔ حضورؐ کی سنت اور صحابہ کرامؓ کا نمونہ تو یہ ہے کہ کٹر مخالفین اور اسلام اور مسلمانوں کے دشمنوں کی ہدایت کے لیے بھی کوشش اور دعا کرتے رہنا چاہیے۔

مولانا شاہ معین الدین احمد ندویؒ 'انسانی حقوق' کے بارے میں لکھتے ہیں:

> ''دنیا کا سارا کارخانہ انسانی حقوق و فرائض کے تعین اور تحفظ پر قائم ہے، یعنی ایک معاشرے میں انسانوں کے کیا حقوق اور ان سے متعلق کیا فرائض ہیں؟ اور وہ ان کی ادائیگی کے کہاں تک مکلف ہیں؟ ان میں سے بعض تو اصولی حقوق اور ان کے متعلق کلّی احکام ہیں اور ان کا تعلق پورے معاشرے کی فلاح سے ہے۔ اگر ان کو عمل میں نہ لایا جائے تو معاشرے کا سارا نظام درہم برہم ہو جائے، مثلاً عدل و انصاف کا قیام، ظلم و جور کا انسداد، انسانی جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت۔''
>
> (دین رحمت، صفحہ ۶۰)

بیش تر حقوق وہ ہیں جن کی ادائیگی میں اسلام نے مسلم اور غیر مسلم کے درمیان کوئی فرق اور امتیاز نہیں کیا ہے۔ مخالفین، دشمنوں اور فریقوں کے سلسلے میں بھی ہدایت کی گئی ہے کہ ان کے ساتھ عدل و انصاف کا رویہ اختیار کیا جائے اور ان پر ظلم و زیادتی کرنے سے بچا جائے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا ۘ وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۖ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ○

(المائدہ:۲)

کسی قوم کی دشمنی تمہیں صرف اس لیے ان پر زیادتی کرنے پر آمادہ نہ کرے کہ انہوں نے تمہیں مسجد حرام سے روک دیا تھا۔ تم نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ اور زیادتی کے کاموں میں باہم مدد نہ کرو، اللہ سے ڈرو، بے شک اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔''

یقیناً ظلم اور زیادتی کا بدلہ لینے کی اجازت دی گئی ہے، لیکن مظلوم کو اختیار دیا گیا ہے کہ وہ چاہے تو بدلہ لے اور چاہے معاف کردے، البتہ جواباً ظلم و زیادتی کی اجازت نہیں ہے۔

برادران وطن سے مسلمانوں کا روزمرہ کی زندگی میں واسطہ پڑتا ہے۔ لین دین، خرید و فروخت، وعدہ اور معاہدے، پڑوس کے روابط، کرایہ داری، دکان داری، علاج معالجہ اور تعلیم و تدریس سب میں ایسے مواقع رہتے ہیں۔ کبھی ہنگامی اور وقتی ساتھ بھی ہوتا ہے۔ ان سب حالات میں ان کے ساتھ مسلمانوں کا اخلاقی رویہ، اُن کے انسان ہونے کی بنا سے ہونا چاہیے۔

یہاں بہ طور مثال پڑوسی کے سلسلے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات پیش کی جاتی ہیں:

۱۔ حضرت ابوشریحؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص انداز میں فرمایا: اللہ کی قسم وہ مومن نہیں (یہ بات آپ نے تین مرتبہ فرمائی) پوچھا گیا: یارسول اللہؐ! کون مومن نہیں؟ فرمایا: جس کے شر سے اس کے پڑوسی محفوظ نہ ہوں۔ (بخاری)

۲۔ حضرت ابوذرؓ فرماتے ہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابوذر! جب تم گوشت پکاؤ تو اس میں پانی زیادہ کردیا کرو، تاکہ پڑوسیوں کو بھی دے سکو۔

(الادب المفرد، بحوالہ دین رحمت، ص ۱۶۴)

افراد کے ساتھ اسلام نے معاشرہ کو بھی بعض حقوق کا پابند بنایا ہے۔ حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''راستوں میں بیٹھنے سے بچو۔'' صحابہؓ نے عرض کیا کہ ہمارے لیے اس کے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے، یعنی بیٹھنا ہی پڑتا ہے۔ یہ ہماری مجلس ہیں، ان میں ہم بات چیت کرتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا: ''اگر تم بیٹھنا ضروری سمجھتے ہو تو راستے کا حق ادا کرو۔'' صحابہؓ نے سوال کیا: راستہ کا حق کیا ہے؟ ارشاد ہوا: ''نگاہیں نیچی رکھنا۔ ایذا رسانی سے بچنا۔ سلام کا جواب دینا، معروف کا حکم دینا اور منکر سے روکنا۔'' (بخاری و مسلم)

اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے مولانا سید جلال الدین عمری تحریر کرتے ہیں:

''یہ حدیث بتاتی ہے کہ معاشرہ کی طرف سے ایک مومن پر جو ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں، اسے ان کا راستہ اور بازار میں، مجلسوں اور محفلوں میں، ہر جگہ خیال رکھنا چاہیے۔ وہ دوسروں کی عفت و عصمت کا پاسبان ہے۔ اسے کسی پر بری نگاہ ڈالنے کی اجازت نہیں ہے، وہ دوسروں کی تکلیف دور کرنے کے لیے پیدا ہوا ہے۔ اس کی ذات سے کسی کو کسی قسم کی اذیت نہیں پہنچنی چاہیے، جیسے آمد و رفت میں رکاوٹ ڈالنا، گندگی پھیلانا، راہ گیروں سے الجھنا اور بدزبانی کرنا وغیرہ۔ راستہ میں ایذا رسانی کی جو بھی صورتیں ہو سکتی ہیں ان سب سے اس کا دامن پاک ہونا چاہیے، کوئی اس پر امن و سلامتی کی دعا بھیجے تو فوراً اسے اس کا جواب دینا چاہیے، تاکہ وہ اس کی طرف سے اطمینان محسوس کرے۔ پھر یہ کہ وہ جہاں بیٹھے معروف کی تلقین کرے اور منکر سے روکے، اس معاشرے میں بھلائیوں کو فروغ حاصل ہوگا اور وہ برائیوں سے محفوظ رہے گا۔ راستہ کا یہ بھی حق ہے کہ آدمی بدزبانی اور تلخ کلامی کا مظاہرہ نہ کرے، بلکہ اس کے انداز تخاطب میں شرافت اور پاکیزگی پائی جائے اور شیریں کلامی کے ساتھ ہر ایک سے پیش آئے۔ اس سے بازار کے بہت سے جھگڑے اور ہنگامے ختم ہو سکتے ہیں۔ مصیبت زدوں کی مدد کرنا اور بھٹکنے والوں کو راستہ دکھانا بھی اس کی ذمہ داری ہے۔''

(اسلام میں خدمت خلق کا تصور، صفحہ ۲۷، ۲۸)

اگر کہیں اسلامی نظام قائم ہوتو اسے بھی انسانی حقوق کی ادائیگی کا پابند کیا گیا ہے۔ نجران کے عیسائی ایک مذہبی اقلیت (غیر مسلم رعایا) کی حیثیت رکھتے تھے۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو جو حقوق دیے وہ آج کی مہذب ترین حکومت بھی اپنی اقلیتوں کو نہیں دے سکتی۔ اسی طرح میثاقِ مدینہ میں غیر مسلم مذہبی اقلیت، یعنی یہودیوں اور غیر مسلم قبائل کو جو حقوق دیے گئے تھے ان کا آج تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ یہ حقوق محض معاہدوں کی شکل میں نہیں تھے، بلکہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے سربراہِ ریاست کی حیثیت سے ان کو نافذ کیا تھا۔

برادرانِ وطن کے بہت سے حقوق میں ایک اہم حق جان و مال کی حفاظت کا ہے۔ اس سلسلے میں مولانا محمد منیر الدین عمری تحریر کرتے ہیں:

> ''دین اسلام نے غیر مسلموں کو یہ حق بھی دیا ہے کہ مسلمانوں ہی کی طرح اس کی جان و مال محفوظ رہیں گے۔ کسی مسلمان کو اجازت نہیں کہ وہ کسی غیر مسلم کی جان و مال کو ناحق نقصان پہنچائے۔ اس جرم کے مرتکب شخص کو شریعت نے سخت تنبیہ کی ہے۔

ارشادِ نبویؐ ہے:

> ''خبردار! جس کسی نے معاہد پر ظلم کیا، یا اس کا حق غصب کیا، یا اس کو اس کی طاقت سے زیادہ کام کا مکلف کیا، یا اس کی رضامندی کے بغیر اس سے کوئی چیز لی تو قیامت کے دن میں اس کی طرف سے جھگڑوں گا۔'' (ابوداؤد، کتاب الخراج)

ایک دوسری حدیث میں فرمایا:

> ''جس کسی نے کسی معاہد (غیر مسلم) کو قتل کیا، وہ جنت کی خوشبو بھی نہیں پائے گا، حالاں کہ جنت کی خوشبو چالیس سال کی مسافت تک پائی جائے گی۔''
>
> (صحیح بخاری، کتاب الجزیہ) (بندوں کے حقوق، ص ۱۱۸)

اسلام کی ان تعلیمات سے ظاہر ہوتا ہے کہ برادرانِ وطن کے ساتھ مسلمانوں کا انسانی رشتہ ہے۔ اس کے علاوہ ان کے ساتھ جن رشتوں میں مسلمان بندھے ہوئے ہیں ان کا تذکرہ پچھلے صفحات میں آچکا ہے۔ لہٰذا ان کے انسانی حقوق ادا کرنا نہایت ضروری ہے۔ ان سے بے جا نفرت اور دشمنی نہیں کی جاسکتی، کیوں کہ اسلام کی بنیادی تعلیمات کے خلاف ہونے کے علاوہ

مسلمانوں کا ناروا رویہ ان کی دشمنی اور نفرت کو اور بڑھا دے گا۔ اگر ان میں سے ایک گروہ مسلمانوں سے نفرت اور دشمنی کا سلوک روا رکھتا ہے، ان کے حقوق پامال کرتا ہے تب بھی مسلمانوں کے لیے صحیح اسلامی رویہ یہی ہے کہ وہ دیگر برادران وطن کے انسانی حقوق ادا کرتے رہیں، حسنِ سلوک اور حسن اخلاق سے پیش آئیں اور سب کی ہدایت کے لیے دعا کرتے رہیں۔

قرآن ایسا رویہ اختیار کرنے والے مسلمانوں کو خوش خبری دیتا ہے:

وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ۭ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِىَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ ۝ (حٰمٓ السجدہ: ۳۴)

''اے نبیؐ! نیکی اور بدی یکساں نہیں ہیں۔ تم بدی کو اس نیکی سے دفع کرو جو بہترین ہو۔ تم دیکھو گے کہ تمہارے ساتھ جس کی عداوت پڑی ہوئی تھی وہ جگری دوست بن گیا ہے۔''

نفرت اور دشمنی اور اس کی وجہ سے مسلمانوں کے ساتھ ظلم و زیادتی کا رویہ اختیار کرنے والوں کے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہیے؟ اس کی ایک مثال قرآن مجید میں ان الفاظ میں بیان کی گئی ہے:

اِنِّىْٓ اٰمَنْتُ بِرَبِّكُمْ فَاسْمَعُوْنِ ۝ۭ قِيْلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ ۭ قَالَ يٰلَيْتَ قَوْمِيْ يَعْلَمُوْنَ ۝ۙ بِمَا غَفَرَ لِيْ رَبِّيْ وَجَعَلَنِيْ مِنَ الْمُكْرَمِيْنَ ۝

(یٰسین: ۲۵ تا ۲۷)

''میں تمہارے رب پر ایمان لے آیا، مجھ سے سن لو، حکم ہوا: داخل ہوجاؤ جنت میں۔ بولا: کاش میری قوم والوں کو معلوم ہوجاتا کہ کس طرح میرے رب نے مجھے بخش دیا اور عزت والوں میں داخل فرما دیا۔''

اس کی تشریح میں جناب ملک حبیب اللہ تحریر کرتے ہیں:

''بپھری ہوئی قوم کے سامنے ایک بندۂ خدا نے بہ بانگ دہل اعلان کر دیا: میں تمہارے رب پر ایمان لے آیا، سن لو۔ قوم نے اس کی پاداش میں اسے قتل کر ڈالا۔ رب کی جانب سے حکم ہوا: جنت میں داخل ہوجاؤ۔ مرد مومن کے دل میں انتقام کی

آگ نہیں بھڑکی۔ اس کا وہم بھی نہیں گزرا کہ قوم میری قاتل ہے۔ اس پر اللہ کا غضب ٹوٹے۔ اس کے برخلاف جنت میں قوم کی خیرخواہی کا جذبہ کام کر رہا ہے۔ آرزو ہے اے کاش، میری قوم کو کسی طرح معلوم ہوجاتا کہ میرے رب نے مجھے کس طرح بخشا اور عزت والوں میں داخل فرمادیا، تاکہ وہی راہ اپنا کر وہ بھی رب کی بخشش اور عزت کے سزاوار بن جاتے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے وفادار، برگزیدہ بندوں کے قلوب کو کس قدر بندوں کی محبت سے معمور فرمادیا ہے۔

مسلمانوں کو فیصلہ کرلینا چاہیے کہ اپنے غیرمسلم بھائیوں سے وسیع پیمانے پر ایسے بےلوث روابط اور برادرانہ تعلقات قائم کریں گے جن کے پیچھے پاکیزہ جذبات ہوں گے، ان کے دکھ درد میں شریک ہوں گے اور مشترک امور و مسائل کو مل جل کر حل کرنے کی کوشش کریں گے۔ ہمارے تعلقات کا اظہار خوشی اور غم دونوں موقعوں پر ہونا چاہیے۔ خوشی کے مواقع، مثلاً پیدائش، شادی بیاہ وغیرہ کے مواقع پر ان کی خوشی میں شریک ہونا چاہیے، حسبِ حیثیت ہدایا و تحائف پیش کرنا چاہیے۔ غم کے مواقع، مثلاً موت، بیماری، ہنگامی حادثات وغیرہ، ان مواقع پر ہمیں ان کے غم میں شریک ہونا چاہیے۔ ہمدردی کے کلمات، جسمانی خدمت، مالی اعانت کی پیش کش کرنا چاہیے۔ وہ مراسم جو اسلامی نقطۂ نظر سے غیر صحیح اور ناپسندیدہ ہیں، ان میں عدمِ شرکت کی معذرت معقول انداز میں پیش کی جانی چاہیے۔'' (انسانی اخوت، ص ۱۳، ۱۴)

برادرانِ وطن اور خدمتِ خلق

مسلمانوں کے درمیان خدمت خلق کے بارے میں جب کبھی سوچا جاتا ہے تو بالعموم مسلمان مستحقین ہی پیش نظر ہوتے ہیں۔ صرف انہی کے لیے کچھ رفاہی کاموں کا پروگرام بنایا جاتا ہے۔ برادرانِ وطن کے اندر رفاہی خدمات انجام دینے کے تعلق سے بہت کم غور کیا جاتا ہے۔ حالاں کہ اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ خدمت خلق دراصل عام انسانوں کی بے لوث خدمت ہے۔ اس کا محرک صرف رضائے الٰہی اور فلاح آخرت کا حصول ہے۔ خدمت خلق کے کئی کاموں میں اسلام نے مسلمانوں اور غیر مسلموں (برادران وطن) میں کوئی فرق نہیں کیا ہے، بلکہ ان کو عام کر دیا ہے۔ البتہ بعض وجوہ اور مخصوص حالات کی بنا پر مسلم ملت کو ترجیح دی جاسکتی ہے۔ انسانی حقوق کی بحث میں ہم دیکھ چکے ہیں کہ اسلامی تعلیمات میں برادران وطن کے انسانی حقوق کا تذکرہ واضح طور پر موجود ہے۔ چنانچہ خدمت خلق کا مطلب صرف مسلمانوں کی خدمت نہیں، بلکہ یہ بلا تخصیص مذہب وعقیدہ، رنگ ونسل، زبان وعلاقہ تمام مستحق انسانوں کے لیے عام ہے۔

پہلی وحی کے نزول اور حضرت جبرئیل کی آمد کے بعد نبوت کی ذمہ داری حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ڈالی گئی تو فطری طور پر آپؐ گھبرائے۔ گھر تشریف لائے اور اپنی اہلیہ حضرت خدیجہؓ کو سارا واقعہ سنایا۔ انھوں نے آپؐ کو تسلی دی اور فرمایا: گھبرائیے نہیں اللہ تعالیٰ آپ کو ضائع نہیں کرے گا، کیوں کہ:

> ''آپ مصیبت میں لوگوں کے کام آتے ہیں، بیواؤں اور یتیموں کی مدد کرتے ہیں، دردمندوں سے محبت رکھتے ہیں، بے کسوں اور مظلوموں کی خبر گیری کرتے ہیں، مہمانوں کی خاطر مدارات کرتے ہیں، ہمیشہ سچ بولتے ہیں۔''
>
> (بخاری بہ حوالہ رسول کریمؐ کی سماجی زندگی)

قرآن میں متعدد مقامات پر جہاں اللہ کی بندگی کا حکم دیا گیا ہے وہیں بندوں کی خدمت کی بھی تاکید کی گئی ہے۔ خدمت کے کاموں کی ترغیب بھی نیکی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا ۝ اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا ۝ اِنَّا نَخَافُ مِنْ رَّبِّنَا يَوْمًا عَبُوْسًا قَمْطَرِيْرًا ۝ (الدھر: ۸ تا ۱۰)

''اور اللہ کی محبت میں مسکین اور یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں اور ان سے کہتے ہیں کہ ہم تمہیں صرف اللہ کی خاطر کھلا رہے ہیں، ہم تم سے نہ کوئی بدلہ چاہتے ہیں، نہ شکریہ، ہمیں تو اپنے رب سے اس دن کے عذاب کا خوف لاحق ہے جو سخت مصیبت کا انتہائی طویل دن ہوگا۔''

سورۂ ماعون میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَرَءَيْتَ الَّذِيْ يُكَذِّبُ بِالدِّيْنِ ۝ فَذٰلِكَ الَّذِيْ يَدُعُّ الْيَتِيْمَ ۝ وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ۝ (الماعون: ۱ تا ۳)

''تم نے دیکھا اس شخص کو، جو آخرت کی جزا و سزا کو جھٹلاتا ہے؟ وہی تو ہے، جو یتیم کو دھکے دیتا ہے اور مسکین کا کھانا دینے پر نہیں اکساتا۔''

اس سورہ کے آخر میں کہا گیا ہے:

وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ ۝ (الماعون: ۷)

''اور معمولی ضرورت کی چیزیں لوگوں کو دینے سے انکار کرتے ہیں۔''

سورۃ المدثر میں بتایا گیا ہے:

فِيْ جَنّٰتٍ ۛ يَتَسَآءَلُوْنَ ۝ عَنِ الْمُجْرِمِيْنَ ۝ مَا سَلَكَكُمْ فِيْ سَقَرَ ۝ قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ ۝ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ ۝ (المدثر: ۴۰، ۴۴)

''جو جنتوں میں ہوں گے وہاں وہ مجرموں سے پوچھیں گے تمہیں کیا چیز دوزخ میں

لے گئی؟ وہ کہیں گے ہم نماز پڑھنے والوں میں سے نہ تھے اور مسکین کو کھانا نہیں کھلاتے تھے۔''

ایک حدیث قدسی میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

''اللہ تعالیٰ قیامت میں فرمائے گا: اے ابن آدم! میں بیمار ہوا لیکن تو نے میری عیادت نہیں کی۔ بندہ عرض کرے گا: میں تیری عیادت کس طرح کرتا؟ تو تو خود سارے جہاں کا پروردگار ہے۔ اللہ فرمائے گا: کیا تجھ کو نہیں معلوم کہ میرا فلاں بندہ بیمار پڑا، لیکن تو نے اس کی عیادت نہیں کی۔ اگر تو عیادت کرتا تو اس کے پاس مجھ کو موجود پاتا۔ اے ابن آدم! میں نے تجھ سے کھانا مانگا لیکن تو نے نہیں کھلایا۔ بندہ عرض کرے گا: پروردگار! تو خود رب العالمین ہے، میں تجھ کو کس طرح کھلاتا؟ اللہ فرمائے گا: میرے فلاں بندے نے تجھ سے کھانا مانگا لیکن تو نے اسے نہیں کھلایا۔ اگر تو اس کو کھلاتا تو اس کھانے کو میرے پاس موجود پاتا۔ اے ابن آدم! میں نے تجھ سے پانی مانگا، لیکن تو نے پانی نہیں پلایا۔ بندہ عرض کرے گا: پروردگار! میں تجھ کو کس طرح پانی پلاتا؟ تو خود رب العالمین ہے۔ اللہ فرمائے گا: میرے فلاں بندے نے تجھ سے پانی مانگا، مگر تو نے اسے نہیں پلایا۔ اگر اسے پانی پلاتا تو میرے پاس موجود پاتا۔'' (مسلم)

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بندوں کی بے لوث خدمت گویا اللہ تعالیٰ کی خدمت ہے۔

قرآن اور حدیث کی ان تعلیمات کی روشنی میں مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ مستحقین کی خبر گیری کریں۔ پڑوس یا رابطے میں یا اجنبی لوگوں میں کوئی شخص محتاج و مستحق ہے تو اس کی مدد کریں۔ بھوکا ہے تو کھانا کھلائیں، یا دوسروں کو ترغیب دلائیں، پیاسوں کو پانی پلائیں، بیماروں کی عیادت و مزاج پرسی کریں۔ ان کے علاج معالجہ میں تعاون کریں۔ اگر کسی کو لباس کی ضرورت ہے تو اسے لباس فراہم کریں۔ اگر کوئی پریشان حال ہے تو اس کی پریشانی دور کریں۔ اگر کسی کو خیر خواہانہ مشوروں کی ضرورت ہے تو مشورے دیں۔ ایمرجنسی ریلیف اور اجتماعی تعاون کی ضرورت ہو تو وہ بھی کریں۔ ایسا نہیں ہونا چاہیے کہ صرف خدمت خلق کے اجتماعی پروگرام بنائے جائیں۔ اس اجتماعی کوشش پر خدمت خلق کا سارا کام منحصر ہو کر رہ جائے، بلکہ قرآن

اور حدیث کی تعلیمات کی روشنی میں مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ برادرانِ وطن میں انفرادی اور خاندانی سطح پر فطری انداز میں خدمت خلق کے مختلف کاموں کو انجام دیں۔

اس ضمن میں چند عملی کاموں کی بھی نشان دہی مفید ہوگی۔ سفر میں مختصر وعارضی مواقع برادرانِ وطن کے ساتھ یکجائی کے پیش آتے ہیں۔ اس کے علاوہ، اسپتالوں، تعلیمی اداروں، ریلوے اسٹیشنوں، بس اڈوں، بینکوں اور دفتروں وغیرہ میں بھی ایسے مواقع ملتے ہیں۔ ان مواقع پر حتی الامکان برادرانِ وطن کی خدمت کی جائے، مثلاً وہ کھڑے ہیں، آپ بیٹھے ہیں، ان کو تھوڑی سی جگہ دیں، یا اپنی جگہ ان کو بٹھا کر کھڑے ہو جائیں۔ گرمی کا موسم ہو تو پانی پلا دیں۔ ان کا سامان اٹھا کر رکھ دیں۔ آپ کے پاس کھانے پینے کی چیزیں ہوں تو ان کو کھانے میں شریک کریں۔ چائے پی رہے ہوں تو ان کو بھی چائے کی دعوت دیں۔ ان کے کام میں تھوڑی سی مدد کر دیں، وغیرہ۔ یہ سب کام آسانی سے کیے جا سکتے ہیں۔ اس کے نہایت خوش گوار اثرات پڑتے ہیں۔

اسی طرح پڑوسی سے اچھا سلوک کرنا چاہیے اور ان کے کام آنا چاہیے۔ مسلمانوں میں یہ رواج کم پایا جاتا ہے کہ اگر برادرانِ وطن میں سے کوئی بیمار ہو تو اس کی عیادت اور مزاج پرسی کے لیے جائیں، علاج معالجے میں تعاون کریں، کوئی وفات پا جائے تو جا کر ملیں اور ان کے غم وصدمہ میں شریک ہونے کا احساس دلائیں۔ کوئی حادثہ ہو تو ان کی تکلیف اور مصیبت میں ہمدردی کریں۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوے سے ہمیں اس کی ہدایت اور ترغیب ملتی ہے۔

کتابیات

۱۔غیر مسلموں سے تعلقات اوران کے حقوق	مولانا سید جلال الدین عمری
۲۔انسانی اخوت	ملک حبیب اللہ
۳۔تحریک اسلامی اور برادران وطن	مولانا سید حامد علی
۴۔تکثیری معاشرہ اسلام اور مسلمان (مجموعہ مقالات)	شعبہ اسلامک تھیالوجی، عالیہ یونیورسٹی، کلکتہ، مغربی بنگال
۵۔ماہ نامہ راہ اعتدال جون ۲۰۱۶ء	خصوصی نمبر 'دعوت الی اللہ۔اہمیت امکانات۔وسائل'
۶۔اسلام میں خدمتِ خلق کا تصور	مولانا سید جلال الدین عمری
۷۔رسول کریمؐ کی سماجی زندگی	جناب متین طارق باغپتی
۸۔دینِ رحمت	مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی